

# اسلام اور عمر بن عبد الرحمن



محمد بن عبد الله بن عبد المطلب  
عليه السلام

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

مكتبة الحرم



## معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مَجْلِسُ التَّحْقِيقِ الْإِسْلَامِيِّ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

## تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے  
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی  
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

**PDF** کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے  
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ [KitaboSunnat@gmail.com](mailto:KitaboSunnat@gmail.com)

🌐 [www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# اور حضرت علیؓ

مَجْدِ تَنْزِيلِ الْكِتَابِ لَقِيَ الْحَسَنِ

www.KitaboSunnat.com

مَكْتَبَةُ نَوَاحِدِ

60 نعمان سینٹر راشد میمنہ اس روڈ

گلشن اقبال-5 کراچی فون: 4965124

جامع اسلام کا ایک خالص دینی و اشاعتی ادارہ

# مکتب نور حرم

220

2 سہ 1 جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

ناشر ----- ساجد محمود

اشاعت ----- ستمبر 2004ء

قیمت ----- 90 روپے

**MAKTABAH-NOOR-E-HARAM**

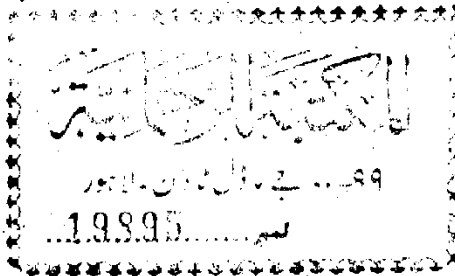
60 Noman Centre, Rashid Minhas Road,  
Gulshan-e-Iqbal-5 Karachi. Ph : 4965124

## اپنے پروردگارِ اعلیٰ کے نام

www.KitaboSunnat.com

فلینک تجلووا و الحیاة مريرة  
و لیتک ترضی و الانام غضاب  
و لیت الذی بینی و بینک عامر  
و بینی و بین العالمین خراب

اے کاش کہ تو مجھ پر شیریں ہو جائے پھر خواہ زندگی تلخ گزرے پرواہ نہیں۔  
اے کاش کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے پھر خواہ دنیا غضبناک ہو پرواہ نہیں۔  
اے کاش کہ تیرے اور میرے درمیان جو ربط ہے وہ ہمیشہ قائم رہے  
پھر خواہ میرے اور دنیا کے روابط خراب بھی ہوں تو پرواہ نہیں۔



﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا، أَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ،  
إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ [آل عمران: ۱۳۹]

ترجمہ

”اور دل شکستہ نہ ہو، اور نہ غمزدہ ہو، تم ہی غالب رہو گے،  
اگر کہ تم مومن ہو۔“

## آئینہ مضامین

www.KitaboSunnat.com

- 9 ☆ عرض ناشر
- 11 ☆ سخن ہائے گفتنی
- علمی
- 19 ☆ عقیدہ توحید اور مذاہب عالم
- 19 توریت میں عقیدہ توحید
- 19 صحیفہ انبیائے بنی اسرائیل میں عقیدہ توحید
- 20 انجیل میں عقیدہ توحید
- 20 وید میں عقیدہ توحید
- 21 بدھ مذہب میں معبود کا تصور
- 21 پارسی اور عقیدہ توحید
- 22 اسلام اور تکمیل توحید
- 22 اللہ سے متعلق ذہن انسانی کا پہلا تصور
- 25 ☆ نبی کریم ﷺ غیر مسلموں کی کتابوں میں
- 25 بشارت موسیٰ علیہ السلام
- 27 داؤد علیہ السلام کی شہادت
- 28 سلیمان علیہ السلام کی زمرہ نبی
- 29 یسعیاہ نبی کی گواہی
- 31 حقیق نبی کی بشارت
- 32 ملاکی نبی کی پیش گوئی

- 35 یحییٰ علیہ السلام کی گواہی  
36 عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت  
38 ہندومت میں  
39 گوتم بدھ کی وصیت  
41 ☆ اسلام دین فطرت  
42 اصلاح نفس و باطن  
44 مساوات انسانی  
45 حقوق نسواں  
45 نظام ازدواج  
46 تعدد ازدواج  
47 فلسفہ جہاد و قتال  
50 ☆ نزول عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام  
50 سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق عقائد اربعہ  
52 نزول عیسیٰ علیہ السلام قرآن کی نظر میں  
55 نزول عیسیٰ علیہ السلام احادیث صحیحہ کی نظر میں  
61 سنن ترمذی کی ایک اہم اسرائیلی روایت  
62 منکرین نزول مسیح کے چند اعتراضات  
65 نتیجہ دلائل  
66 ایک ذاتی تاثر

### فکری

- 69 ☆ مسلم امہ اور عہد جدید کے تقاضے  
70 عہد جدید کے سیاسی تقاضے



- 74 عہد جدید کے اقتصادی تقاضے  
75 عہد جدید کے علمی تقاضے  
79 ☆ اسلام اور تجدد پسندی  
87 ☆ انسانیت منزل شعور پر کب پہنچے گی؟  
92 ☆ جہاد فی سبیل اللہ  
97 ☆ حکمت کیا ہے؟  
102 ☆ اسلام فاتح عالم

### سیاسی

- 109 ☆ عالمی صہیونیت کی عالم اسلام سے محاذ آرائی  
109 صہیونیت کیا ہے؟  
109 فری مین تنظیم  
110 (۱) پہلا دور  
110 (۲) دوسرا دور  
111 (۳) تیسرا دور  
111 برصغیر میں فری مین تحریک  
114 عالم اسلام سے محاذ آرائی  
116 مختلف ذرائع  
116 (۱) تفرق و انتشار کا فروغ  
117 (۲) طبقہ انات کا استعمال  
118 (۳) ریسٹائزیشن کی تحریک  
121 تحریکی ذہنیت  
122 (۱) سقوط خلافت عثمانیہ

- 124 (۲) اسرائیلی ریاست کا قیام
- 125 (۳) سانحہ ورلڈ ٹریڈ سینٹر
- 127 ☆ عالم اسلام اور امریکا اسرائیل تعلقات
- 132 ☆ مسلم امہ اور معاشی قوت
- 135 ☆ مسئلہ فلسطین اور مسلمان
- 137 ☆ اے خطہ کشمیر!
- 138 ☆ ۷ اکتوبر ۲۰۰۱ء
- 140 ☆ چیچنیا کے کوہساروں سے

## عرض ناشر

مشہور فرانسیسی مفکر ریٹان نے کہا تھا کہ: ”اسلام انسانوں کا مذہب ہے۔“  
 بلاشبہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کا انکار ممکن نہیں۔ آج روئے زمین پر واحد  
 دین اسلام ہے جو اپنی اصل حالت میں باقی ہے، جس کی تعلیمات زندہ ہیں، جس کے  
 مآخذ دستیاب ہیں اور جس کے پاس نبی کریم محمد رسول اللہ ﷺ جیسی ہستی نمونہ عمل کے  
 لیے ہے۔

انسانی اذہان کے پیدا شدہ افکار و نظریات دم توڑ چکے ہیں اور اب آنے والا دور  
 اسلام کا دور ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا فیصلہ آنے والی تاریخ کرنے لگی۔ تاریخ  
 کی زبان بذات خود خاموش سہی لیکن تاریخ خود فعال ہے۔ یورپ اور امریکا جیسی مادیت  
 پرست دنیا میں اسلام کی روز افزوں ترقی اس کا واضح ثبوت ہے۔

زیر نظر کتاب درحقیقت انہی روشن اور زندہ مسائل سے متعلق قلمبند کی گئی ہے۔  
 جو کہ ان موضوعات پر لکھے گئے مختلف مضامین کا مجموعہ ہے۔ کتاب کے مصنف نے  
 مسلمانوں کی توجہ عہد جدید کی روشن حقیقتوں کی طرف مبذول کروائی ہے اور یہ ثابت کیا ہے  
 کہ اسلام انسانوں کا واحد دین، نبی کریم ﷺ انسانی زندگی کے واحد رہبر اور قرآن  
 انسانی ہدایت کی کامل کتاب ہے۔ اسلام ایک عالمگیر دین ہے، یہ صرف مسلمانوں کے لیے  
 نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ گمراہ انسانیت کو ان کی دولت بے پایاں اور  
 متاع گم گشتہ سے آگاہ کریں۔

یقیناً بہت سے موضوعات اب بھی اس کتاب میں آنے سے رہ گئے ہوں گے،

جس کی تلافی انشاء اللہ العزیز آئندہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

مکتبہ نورِ حرم اس کتاب کی طباعت و اشاعت ایک سعادت سمجھ کر رہا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں ان حقیقتوں کے ادراک سے نوازے۔ اور اس

کتاب کو مصنف، مکتبہ نورِ حرم کے تمام متعلقین اور ہمارے والدین کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔ (آمین یا رب العالمین)

ساجد محمود

7 ستمبر 2004ء

’مکتبہ نورِ حرم‘ کراچی

## سخن ہائے گفتنی

قسام ازل نے ازل سے اب تک کے لیے زمانے کی پیشانی پر ثبت کر دیا ہے کہ۔

ہر دور فتن کے فتنوں میں اسلام کو زندہ رہنا ہے

یہ اسلام کو مٹانے کے طفلانہ جذبات اور اس کی سر مستیاں، یہ مغربی تہذیب کے عریاں نقوش کا بہتا دھارا اور یہ سیاست عالم پر چھائے یہودیوں کی مکارانہ خواہشیں..... بالآخر سب کی سب دھری رہ جائیں گی۔ اسلام کو کل کے طاغوت سے کوئی خطرہ تھا اور نہ ہی آج کا طاغوت اسلام کے لیے باعث تنزل و تیرگی بن سکتا ہے۔ آزمائشیں آتی رہی ہیں اور آتی رہیں گی۔ لیکن ان آزمائشوں کا مقصد اہل اسلام کی ذلت و رسوائی نہیں بلکہ بحر حیات میں ان کے ڈولتے ہوئے سفینہ ایمان و یقین کو پائے ثبات و استقلال سے ہمکنار کرنا ہے، جن کے سینے نعمت ایمانی، قوت روحانی اور فراست وجدانی سے لبریز ہیں وہ ضرور مشیت الہی کی حکمتوں پر راضی ہو کر اپنے دامن ایمان و یقین کو ثابت و موکد کر رہے ہیں۔ لیکن جن کے پاس یہ سب کچھ نہیں ان کے دل کی دنیا اضطراب کی آندھیوں سے رہ رہ کر متزلزل ہوتی ہے۔ ان کے جذبہ شورش و شوریدگی نے دنیا ہی میں انہیں عذاب الہی کی شدتوں سے ہمکنار کر دیا ہے۔ وہ اپنے صحرائے زندگی کے گوشہ اطمینان و سکون کی تلاش میں 'طاغوت عصر' کے درباری بن رہے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ ﴿الْأَبْدَانُ تَطْمَنُّ الْقُلُوبُ﴾

بد قسمتی سے ہم نے اس لالہ لم یزل کے پیغامات کو سمجھا ہی نہیں، اس لیے نہیں کہ وہ پیغام عقل و فہم سے ماوراء ہے، بلکہ اس لیے کہ ہم نے اسے سمجھنا چاہا ہی نہیں۔ اس دنیائے دوس کی بوقلمونیاں اپنی جگہ لیکن یہاں بھی اُس جنت ارضی کی دو نعمتیں ارزاں ہیں،

یہ اور بات ہے کہ ہماری نگاہ ناقص اس نعمت کی حقیقت سے نا آشنا ہے۔ وہ نعمت بیکراں کیا ہے؟

﴿الَاَ اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ [یونس: ۶۲]  
 ”سن رکھو کہ بے شک اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ کسی طرح کی غمگینی۔“

اور

﴿مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ اَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ [البقرة: ۱۱۲]  
 ”جس نے اپنا چہرہ اللہ کے لیے جھکا دیا، اور نیکو کار ہوا، تو اس کے لیے اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور ایسے لوگوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غمگینی۔“

حلاوت ایمانی کا اپنا ہی ایک ذائقہ ہے، جسے اہل ایمان ہی چکھ سکتے ہیں اور جس کے بعد پھر انہیں رنگینی دنیا کی دلفریبیاں اور شبستان وجود کی اٹھکھیلیاں مغلوب نہیں کر سکتیں۔ گو حوادث زمانہ کی پریشانیاں ان پر آوارہ ہوتی ہیں۔ لیکن اس حالت میں بھی ان کی روح کی شادمانی اور دل کی خوشحالی برقرار رہتی ہے۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے

لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

لیکن امت مسلمہ کے ہم سے گناہگار وجود کیا کریں؟ اب بھی کچھ نہیں بگڑا، آؤ اپنے دلوں کو اس الہ واحد و معبودِ یگانہ کا مسکن بنا دیں، جس نے ۱۴ سو برس قبل عرب کے ایک اُمّی (فدائہ امی وابی الف الف تحیۃ والسلام) کی معرفت افرادِ بنی نوع آدم کو یہ پیغام دیا تھا۔



﴿يَعْبَادِي الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ [الزمر: ۵۳]

”کہد دیجے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر (آلائش حیات کو مجتمع کر کے) زیادتی کی، تم اللہ کی رحمت (کریمانہ) سے مایوس مت ہو، بے شک اللہ سب گناہوں کو بخش دیتا ہے بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔“

اللہ کی قسم! ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دریائے محبت جوش مار رہا ہے، آؤ اس دریا میں غرق ہو جائیں کہ اس میں غرق ہوئے بغیر بلندی کا حصول ممکن نہیں۔ جان لو کہ ﴿وما النصر الا من عند الله العزيز الحكيم﴾

اس رب جل وعلا نے افراد بنی آدم کے لیے حقیقت کی عقدہ کشائی کر دی ہے کہ ﴿اسْتَخْوَذُوا عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَلَهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ . إِنَّ الَّذِينَ يُحَادِّثُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ . كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ . لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ [المجادلة: ۹۰-۹۲]

”ان پر شیطان غالب آگیا تو اس نے انہیں اللہ کی یاد سے غافل کر دیا، یہی لوگ شیطان کا گروہ ہیں، سن رکھو! کہ شیطان کا گروہ ہی خسارہ پانے والا ہے۔ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرتے ہیں،

وہی لوگ ذلیل ترین ہیں۔ اللہ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آئیں گے، بے شک اللہ قوت والا غالب ہے۔ تم ان لوگوں کو جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ہرگز نہ پاؤ گے کہ وہ (ان لوگوں سے) دوستی رکھتے ہوں جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرتے ہیں، خواہ وہ ان کے باپ دادا یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے اقرباء ہوں۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنے فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے۔ اور وہ انہیں ان باغات میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہی لوگ اللہ کا گروہ ہیں۔ سن رکھو! کہ اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے۔“

زیر نظر کتاب ان سطور کے گناہگار راقم کے ’اسلام اور عصر جدید‘ سے متعلقہ مسائل پر لکھے گئے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً مختلف رسائل میں اشاعت پذیر ہوئے۔ ان مضامین میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ اسلام سے متعلق وہ مختلف شبہات جو ذہن انسانی میں جگہ پاسکتے ہوں، ان کا ازالہ کر دیا جائے۔ مسلمانوں کے اس گروہ کو جو اسلام کو غیر عقلی دین سمجھ کر اسلام سے دور ہو رہا ہے، اسلام کی حقانیت سے آشنا کر دیا جائے۔ اور اس عہد ظلمت و تیرگی میں اہل ایمان کے قلوب کو اعتزال سے بچا کر ’مسلك اعتدال‘ سے آگاہ کر دیا جائے۔

لاریب کے بہت سے گوشے اب بھی ایسے ہیں جو سپرد تحریر ہونے سے رہ گئے ہیں، آئندہ حسب توفیق الہی یہ فریضہ انجام دینے کی سعی کروں گا۔ انشاء اللہ العزیز۔ اس ضمن میں آپ حضرات کی رہنمائی بھی میرے لیے سعی و جہد کا ذریعہ بنے گی۔

گو مجھے اپنے عجز کا اعتراف ہے، میرا فکر و عمل پیرایہ نقص و شکستگی سے آراستہ ہے

اور میری اس حالت کا نقشہ ایک شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے:

خود پیاس کا صحرا ہوں ، مگر دل کی یہ ضد

کہ دشت پہ ساون کی طرح ٹوٹ کے برسوں

کائناتِ عالم کی لائحہ و دستوں کے اس رب واحد کے حضور میری التجا ہے کہ

وہ اپنے اس حقیر بندے کی حقیر سی سعی کو مشکور فرمائے۔ ﴿ربنا تقبل منا انک انت

السمیع العلیم﴾

باقی میں اپنی نسبت کیا لکھوں۔

آزاد رو ہوں میرا مسلک صلح

ہرگز کسی سے عداوت نہیں مجھے

کتاب و سنت کے چشمہ صافی کو دلیل راہ ہدئی جانتا ہوں ائمہ مجتہدین کی دل

سے قدر کرتا ہوں، لیکن میرا یہ عقیدہ ہے کہ

دنیا میں احترام کے قابل جتنے لوگ

میں سب کو مانتا ہوں مگر مصطفیٰ (ﷺ) کے بعد

’اسلام بن اسلام بن اسلام‘ میرا نسب نامہ ہے اور میرے وطن کی حد ’لا الہ الا

اللہ محمد رسول اللہ‘ سے شروع ہو کر ’لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘ پر ختم ہوتی

ہے۔ اب اس پر آپ مجھے جو چاہیں کہہ لیں۔

اس کتاب کی طباعت و اشاعت عزیز گرامی برادر ام ساجد محمود صاحب مدیر مکتبہ

نورِ حرم کراچی کے حسانات میں سے ہے۔ جو الحمد للہ خدمتِ دین حق کے لیے مستعد و

سرگرم عمل ہیں۔ جن کے و فورشوق کے نتیجے میں مختلف دینی کتب مرحلہ طباعت سے

گزر کر منصہ شہود پر آرہی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت اپنی راہ میں ان کی جہد و سعی کو

قبول فرمائے۔ ﴿آمین﴾

اس کتاب میں اگر کہیں کوئی خوبی ہے تو وہ اس رب جل و علا کی عطا ہے لیکن اگر کہیں نقص و شکستگی ہے تو وہ اس بندہ خاکی کے لغزش قلم کا نتیجہ ہے۔ جس کے لیے قارئین گرامی سے گزارش ہے کہ مطلع فرما کر ممنون فرمائیں، کیونکہ اصلاح خواہ کسی قسم کی ہو، بشکر یہ قبول کی جائے گی۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو شاہراہ صراط مستقیم کا راہی بنائے۔ ﴿ آمین یا رب

العالمین ﴾

محمد تنزیل الصدیقی الحسینی

۱۳، ستمبر ۲۰۰۲ء، کراچی

## علمی

- ☆ عقیدہ توحید اور مذاہب عالم
- ☆ نبی کریم ﷺ غیر مسلموں کی کتابوں میں
- ☆ اسلام دین فطرت
- ☆ نزول عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com



## عقیدہ توحید اور مذاہب عالم

توحید کائنات عالم کی ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کے مظاہر فطرت کے ہر ہر جلوے میں، قدرت کی ہر ہر تعمیر میں اور انسانی زندگی کے ہر ہر گوشے میں عیاں ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات مقدسہ کی طرف نگاہ ڈالو، گو ہر دور کے تقاضوں کے مطابق ان کی شریعتوں میں تبدیلیاں ہوئیں لیکن عقائد کے باب میں ہر نبی، ہر رسول یک زبان ہے۔ توریت، زبور، انجیل و دیگر صحف انبیائے بنی اسرائیل گو آج تحریف و تبدل سے آلودہ ہو چکی ہیں حتیٰ کہ کوئی انسانی زبان اس کی کاملیت کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔

### توریت میں عقیدہ توحید :

لیکن اسی 'توریت' کے کتاب 'استثنا' میں یہ عبارت اب بھی پڑھی جاسکتی ہے۔  
 ”میرے آگے تو اور معبودوں کو نہ ماننا۔ تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی صورت نہ بنانا نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے۔ تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت کرنا کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں۔“ (۵: ۷-۹)

### صحیفہ انبیائے بنی اسرائیل میں عقیدہ توحید :

’۱۔ سموئیل‘ کی یہ عبارت بھی لائق توجہ ہے:  
 ”خداوند کی مانند کوئی قدوس نہیں، کیونکہ تیرے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں۔“ (۲: ۲)

### انجیل میں عقیدہ توحید :

اور 'ایک' کو 'تین' اور 'تین' کو 'ایک' ثابت کرنے والے 'یسوع مسیح' کے پیروکاروں کی 'انجیل مرقس' میں ہے:

"یسوع نے جواب دیا کہ اوّل یہ ہے اے اسرائیل سن خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے"۔ (مرقس ۱۲: ۲۹)

یہ تو خیر وہ ہیں جنہیں اپنے 'اہل کتاب' ہونے پر ناز ہے۔

### وید میں عقیدہ توحید :

ہندوؤں (۱) کی 'وید مقدس' ملاحظہ ہو:

"وہ ایک ہی ہے اسی کی عبادت کرو"۔ (رگ وید ۶-۳۵-۱۶)

"وہ ایک ہی بہترین پرستش اور بندگی کیے جانے کے قابل ہے۔ رب

ہے"۔ (اتھروید)

(۱) جان گلارک نے ایک مقام پر لکھا ہے: "ہندومت کا کوئی بانی نہیں ہے جس نے کوئی بنیادی پیغام دیا ہو، نہ رزقشت، عیسیٰ اور محمد (ﷺ) کی طرح کارہنما..... ہندوؤں کے یہاں کنفیوشس کی طرح کا کوئی شخص بھی نہیں ہے جو طول طویل موروثی روایات کو پوری طرح مرتب کر دینے والا ہو۔ سیدی اور سچی بات یہ ہے کہ ان کے یہاں اپنی ایسی شخصیتیں نہیں ہیں جیسے جنیوں کے یہاں مہادیر (سوامی) بدھوں کے یہاں گوتم سانکھیہ منی اور سکھوں کے یہاں (گرو) ناک۔ ایک مفہوم میں ہندومت کا بانی ایک انبوہ ہے جس کی شخصیتیں تاریکی میں ہیں۔ "THE GREAT RELIGION OF THE MODERN WORLD" P: 44, مطبوعہ میرٹھ ۱۹۶۳ء] لیکن مولانا شمس نوید عثمانی کی تحقیق کے مطابق سیدنا نوح علیہ السلام ہندوؤں کے 'گمشدہ نبی' ہیں۔ ان کی اس گرافدر تحقیق نے میدان علمی کو ایک نئی جولا نگاہ تحقیق سے آشنا کیا ہے۔ ان کی بعض بلکہ متعدد تحقیقات سے اختلاف کیا جاسکتا ہے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ ارباب علم اس پر متوجہ ہوں۔ زیر نظر تحریر میں وید کے اقتباسات مولانا شمس نوید عثمانی کی کتاب 'اگر اب بھی نہ جاگے تو' ہی سے ماخوذ ہیں۔

”ایشور ہی اول ہے اور تمام مخلوقات کا اکیلا مالک ہے۔ وہ زمینوں اور آسمانوں کا مالک ہے۔ اسے چھوڑ تم کون سے خدا کو پوج رہے ہو؟“۔ (رگ وید ۱۰۱-۱۲۱)

### بد مذہب میں معبود کا تصور:

گو آج گوتم بدھ (۱) کے کروڑوں پیروکاروں نے ’لاادریت‘ (Angnosticism) ہی کو رازِ حیات سمجھ لیا ہے۔ مگر یہ خیال درست نہیں، کسی روحانی رہنما کے لیے خواہ وہ کسی پیمانے پر ہو، ممکن ہی نہیں کہ وہ اپنے معبود کے وجود کی نفی کر سکے۔ مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اگر ان تمام اقوال پر جو براہ راست اس کی طرف منسوب ہیں، غور کیا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کا مسلک نفی ذات کا نہ تھا۔ نفی صفات کا تھا۔ اور نفی صفات کا مقام ایسا ہے کہ انسانی فکر و زبان کی تمام تعبیرات معطل ہو جاتی ہیں اور سکوت کے سوا چارہ کار باقی نہیں رہتا۔“۔ [ترجمان القرآن ۱۱: ۱۴۴]

### پارسی اور عقیدہ توحید:

اسی طرح پارسیوں (۲) کی ’پاژند‘ جس کے ملاحظہ سے آج دنیا محروم ہے، لیکن اس کی باقیات سے جس قدر دنیا آگاہ ہو سکی ہے، اس پر بعض علمائے تحقیق کا خیال ہے کہ ”لا الہ الا اللہ“، ”زند آویستا“ کے ”نیمت ایزد مگر یزدان“ کا لفظی ترجمہ ہے اور اسی طرح ”بنام یزدان بخش گرداوار“ جس سے زردشتی (پارسی) اپنی کتابوں کو شروع کرتے

(۱) مولانا مناظر احسن گیلانی کی رائے میں گوتم بدھ ہی قرآن کے ذکر کردہ ذوالکفل علیہ السلام ہیں ملاحظہ ہو: النبی الخاتم۔ مگر یہ خیال درست نہیں یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے شائقین مولانا ابوالجلال ندوی کے مضمون شائع شدہ ماہنامہ ’معارف‘، عظیم گڑھ بابت جولائی ۱۹۴۸ء کی طرف مراجعت فرمائیں۔

(۲) بعض ارباب تحقیق کا خیال ہے کہ پارسی بھی اہل کتاب ہیں، ملاحظہ ہو نگار جولائی ۱۹۳۵ء۔

ہیں۔ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کا ترجمہ ہے۔ (ملاحظہ ہو: گیتا اور قرآن از پنڈت سندر لال: ۱۱ بحوالہ نگار پاکستان خدا نمبر ۱۹۶۹ء: ۱۳۶)

## اسلام اور تکمیل توحید :

اور ان گزشتہ تمام اسباق کی تکمیل اسلام نے کر دی ﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ. لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ. كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ [الفصص: ۸۸]

گزشتہ تمام شریعتیں جانے کے لیے تھیں اسی لئے چلی گئیں۔ مگر اسلام چھا جانے کے لیے تھا، اسی لیے اپنی کاملیت کے ساتھ برقرار ہے۔ ﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [المائدة: ۳]

الحاصل بنیادی پیغام میں کوئی فرق نہیں، لیکن چونکہ گزشتہ شریعتیں محدود اور مقید تھیں، اسی لیے ان میں وہ توسع نہیں جو عالم انسانیت کی تشنگی کو دور کر سکے۔ لیکن بقول ربینان: ”اسلام تو انسانوں کا مذہب ہے“۔ [عظمت اسلام: ۱۵ مطبوعہ کاروان ادب کراچی ۱۹۵۲ء]

پھر کس طرح ممکن ہے کہ ’انسانوں کا مذہب‘ انسانیت کی سب سے بڑی تشنگی دور نہ کر سکے، یہی وجہ ہے کہ ’شریعت محمدی ﷺ‘ ہر لحاظ سے کامل ترین اور اکمل ہے۔

یورپ کے عظیم مفکر جارج برنارڈشا کو اعتراف کرنا پڑا کہ:

”محمد (ﷺ) کے مذہب کو میں نے ہمیشہ اس کی خیران کن قوت اور صداقت کی وجہ سے اعلیٰ ترین مقام دیا ہے۔ میرے خیال میں محمد (ﷺ) کا مذہب دنیا کا واحد مذہب ہے جو ہر دور کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے لیے کشش رکھتا ہے“۔ [Islam Our Choice۔ ماہنامہ ’اردو ڈائجسٹ‘ لاہور رحمة للعالمین نمبر ص: ۶۰ اپریل ۱۹۸۸ء]

## اللہ سے متعلق ذہن انسانی کا پہلا تصور:

اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات سے متعلق ذہن انسانی میں پہلا تصور کیا ابھرا تھا؟

آج مغرب کے اس باطل نظریے کی تردید ہو چکی ہے کہ انسان نے ذہنی ارتقاء کے مراحل طے کرتے ہوئے 'توحید' کی شناسائی حاصل کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت جبکہ نہ عظیم الشان مادی وسائل ہی وجود میں آئے تھے اور نہ فلاسفہ یونان و مصر و ہند کی بازگشت ہی سے دنیا آشنا ہوئی تھی۔ اس وقت کا انسان بھی 'توحید' سے ویسا ہی آشنا تھا جیسا کہ اخروی فلاح و کامرانی کی ضرورت ہے، پروفیسر شمیٹ Schmidt اور ایچ روز Rose دو جرمن اہل قلم نے افریقہ و آسٹریلیا کے متعدد قبائل کا گہری نظر سے جائزہ لیا۔ پھر اپنی کتاب "The Origen And Growth of Religion" میں رقمطراز ہوئے:

”قدیم تمدن میں سب سے اعلیٰ اور ارفع ذات خدائے واحد کی ہے اور جو مذہب ایک خدا کو تسلیم کرتا ہے وہ توحیدی مذہب کہلاتا ہے، اس صورتحال پر بہت سے مصنفین نے اعتراضات کیے ہیں۔ ان کے جواب میں میں یہ کہتا ہوں کہ بہت سے قبائل ایسے ہیں جن کے ہاں ایک ارفع و اعلیٰ ذات پر ایمان ان کے توحیدی مزاج کی واضح علامت ہے۔ یہ حقیقت بہت سے لگی قبائل (Pygmy)، قدیم بٹمن (Bushmen)، کرنائے (Kurnai)، کیلون (Kulin) اور جنوب مشرق کے یون قبیلے کے متعلق وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے۔“ [The Origen And Growth of Religion] p:262، بحوالہ ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور اپریل ۱۹۷۰ء، مترجمہ عبد الحمید صدیقی]

یہی حال قارہ ہند کا ہے، سوامی وویکانند "HINDUISM OF THE VEDAS" (ویدوں کا ہندومت) میں فرماتے ہیں:

”یہ تصور جیسا کہ آپ جانتے ہیں توحید کا تصور ہے، یہ تصور توحید، ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان میں بالکل ابتدائی دور میں آیا، وید سمجھاؤں کے اولین اور

قدیم ترین حصہ میں یہ موحدانہ نقطہ نظر پایا جاتا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تصور آریوں کے لیے تشفی بخش ثابت نہ ہوا۔ انہوں نے اسے ایک ابتدائی تصور سمجھ کر جیسا کہ وہ فی الواقع ہے، ایک طرف پھینک دیا اور آگے بڑھ گئے۔

[ہندومت اور توحید از سید حامد علی: ۷، مطبوعہ ادارہ اشاعت حق میرٹھ ۱۹۶۴ء]

بایں وجہ کہ سطح ارضی پر بسنے والے ابتدائی افراد انسانی فطرت سے قریب تر تھے، اسی لیے توحید کی سادگی سے بھی آشنا تھے، لیکن جیسے جیسے انسان آگے بڑھتا گیا انسانیت پیچھے ہٹی گئی، فطرت سے بعد و دوری ہوتی چلی گئی۔

ایک طرف ایسی خود سری کہ اللہ کے وجود ہی کا سرے سے انکار کر دیا اور دوسری طرف ایسی ذلت آمیز نیاز مندی کہ ذلیل ترین مخلوق اور ناپاک ترین حصہ جسم انسانی کو اپنا معبود تسلیم کر لیا کہ جس کا تصور بھی طبع سلیم اور فکر مستقیم پر گراں گزرتا ہے۔

لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تمام الہامی مذاہب اور وہ مذاہب جو کسی نہ کسی طور پر الہامی مذاہب سے متاثر ہوئے ان سبھوں کے پاس معبود کا جو تصور ہے اس میں وحدانیت نمایاں ہے۔ انسان کی پہلی فطری آواز بھی یہی تھی اور اسلام نے اسی فطری پیغام کی تکمیل بجا معیت کر دی ہے۔



## نبی کریم ﷺ غیر مسلموں کی کتابوں میں

خالق کائنات نے اپنی تخلیق کردہ اس شاہکار کی ہدایت و رہبری کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کی ذات مقدسہ و مطہرہ کو نمونہ عمل بنایا۔ اس وقت کہ جب دنیا جہالت و ضلالت کی گمراہیوں سے معمور تھی، اور انسانیت اپنے نجات دہندہ کے لیے بھٹک رہی تھی، ذات حق وادی بطحا سے اس انسان کامل کا ظہور فرمایا جس نے اللہ کے بندوں کو اللہ سے روشناس کرایا اور انبیائے گزشتہ علیہم السلام کے نامکمل اسباق کی تصدیق و تکمیل کی علیہ الف الف تحیۃ والسلام دائماً ابداً۔

چونکہ نبی کریم ﷺ اس سلسلہ طلائے ناب کے خاتم اور پیرویان ہدایت کے آخری رہبر ہیں اسی لیے ان کی آمد جس شان سے ہوئی ان کی آمد کا شہرہ بھی اسی شان سے ہوا، ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾۔

وہ کونسا مذہبی صحیفہ ہے، کہ جس کے متبعین کو اس کے الہامی ہونے پر اصرار ہو اور اس میں اس ہادی عالم ﷺ کا ذکر مبارک نہ ہو؟

اس سلسلہ ہدایت و رہبری کی وہ کونسی برگزیدہ ہستی (علیہم السلام) ہے کہ جس نے اس رہبر کامل ﷺ کی خبر نہ دی ہو؟

### بشارت موسیٰ علیہ السلام :

یہ انسان کامل ﷺ ہی ہیں، جن کی بشارت زبان موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یوں دی:

”میں ان (بنی اسرائیل) کے لیے ان ہی کے بھائیوں (یعنی اسماعیلیوں)

میں سے تیری (موسیٰ علیہ السلام) مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔“ (استثنا

(۱۸:۱۸)

عیسائی پادری اس پیشینگوئی کا مصداق عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ٹھہراتے ہیں، لیکن ان کا یہ فرمان بلا جواز ہے۔ کیونکہ

- (۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے مانند نہیں، ان دونوں میں سوائے کارِ نبوت کے اور کچھ وجہ مماثلت موجود نہیں۔
- (۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے کہ جو میرے بعد آئے گا وہ خود سے کچھ نہیں کہے گا۔ (یوحنا ۱۶: ۱۳)

جبکہ رسول پاک ﷺ اور اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام میں وجہ مماثلت ملاحظہ ہو:

- (۱) دونوں حالت یتیمی میں اس دنیا میں داخل ہوئے۔
- (۲) دونوں کو ۴۰ برس کے بعد ۴۱ ویں برس کارِ نبوت کا فریضہ سونپا گیا۔
- (۳) دونوں ہی کو اللہ تبارک و تعالیٰ سے براہِ راست ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔
- (۴) دونوں ہی نے اپنے قوم پر غلبہ حاصل کیا۔
- (۵) دونوں ہی نے اپنے مخالفین سے جنگیں لڑیں۔
- (۶) دونوں ہی صاحبِ شریعت رسول تھے۔

اس کے علاوہ بھی متعدد وجہ مماثلت موجود ہے، لیکن سطورِ بالا میں بالخصوص ان وجہ مماثلت کو رقم کر دیا ہے جو کسی دوسرے رسول کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی نسبت حاصل نہیں۔ علاوہ ازیں امام الانبیاء ﷺ ہی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام نازل ہوا اور جس نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی الہامی پیش گوئی پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی کہ:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ. إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ [النجم: ۳-۴]

”اور نہیں کہتے ہیں وہ اپنی خواہش سے، بلکہ یہ تو صرف وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔“

### داؤد علیہ السلام کی شہادت :

یہ رہبر اعظم ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے کہ جن کے دہنے ہاتھ کی عظمت کا ذکر نطق داؤد علیہ السلام نے یوں کیا:

”اور تیرا دہنا ہاتھ تجھے مہیب کام دکھائیگا۔“ (زبور ۴:۴۵)

”خداوند تیرے دہنے ہاتھ پر اپنے قہر کے دن بادشاہوں کو چھید ڈالیگا۔“

(زبور ۱۱:۵)

اور کچھ علم بھی ہے اس دہنے ہاتھ کی برکتیں کیا ہیں؟۔ آؤ! وحی ربانی کی ضروریوں پر نگاہ ڈالیں۔

☆ ﴿مَا رَمَيْتْ إِذْ رَمَيْتْ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى﴾ [الانفال: ۱۷]

”جب آپ ﷺ نے پھینکا، تو (حقیقتاً) آپ ﷺ نے نہیں پھینکا، بلکہ اللہ رب العزت نے پھینکا تھا۔“

روایت صحیحین سے پتہ چلتا ہے کہ سورہ انفال کا نزول بمقام بدر ہوا، اہل تفسیر و سیر و مغازی کا اتفاق ہے کہ رسول پاک نے باذن ربانی اپنے دہنے ہاتھ سے مشت خاک کو اٹھا کر لشکر اعداء پر پھینکا، جس کے نتیجے میں ایک ہزار نیشہ فخر و جہالت سے مخمور، مکذبین رسول رحمت ﷺ کی آنکھوں سے یہ مٹھی بھر خاک جا لگی، لشکر اعداء کا کوئی فرد بشر ایسا نہ تھا جو اس کی زد میں نہ آیا ہو۔ آیت درج بالا میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اور ذرا زبور کی عبارت پر نگاہ ڈالو: ”خداوند تیرے دہنے ہاتھ پر اپنے قہر کے دن بادشاہوں کے چھید ڈالے گا۔“ روز بدر رب المؤمنین کا قہر کس طرح ان سرمایہ کبر و نخوت رکھنے

والے سرداروں کو تعزیمات میں دھکیل گیا۔ تاریخ انسانی اس سے بخوبی آگاہ ہے۔

☆ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ﴾ [الفتح: ۱۰]

”بے شک جو لوگ آپ (ﷺ) سے بیعت کرتے ہیں۔ تو وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔“

یہ آیت اپنے عموم کے ساتھ اس کا اظہار کر رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے وعدہ وفا و ایفائے میثاق کرنے والا درحقیقت اللہ تبارک و تعالیٰ ہی سے نسبت عقیدت استوار کر رہا ہے اور کون نہیں جانتا کہ بیعت دہنے ہاتھ ہی پر کی جاتی ہے۔

☆ ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ [الفتح: ۱۸]

”یقیناً اللہ بزرگ و برتر ان تمام مومنین سے راضی ہو گیا کہ جب وہ (بمقام حدیبیہ سمرائ نامی) درخت کے نیچے آپ (ﷺ) سے بیعت کر رہے تھے۔“

ذرا اس بیعت تحت الشجرہ کی رفعت و مرتبت کا اندازہ لگاؤ، ایک لمحہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے چودہ سو نفوس عالی کو پروانہ رضاعت جاری کر دیا۔

☆ ﴿تَبَّتْ يُدَا أَبْنَى لَهُبٍ وَتَبَّ﴾ [الہب: ۱]

”ٹوٹ گئے ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ ہلاک ہوا۔“

نبی کریم ﷺ کے دست مقدسہ کے ٹوٹنے کی بددعا دینے والے ابولہب کا حال ملاحظہ ہو، خود اس کے ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاکت و بربادی کے گڑھے میں جا گرا۔

**سلیمان علیہ السلام کی زمزمہ سنجی :**

یہ سید ولد آدم ﷺ ہی ہیں کہ جن کی محبت میں بے اختیار ہو کر سیدنا سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام یوں زمزمہ سنج ہوئے۔

”خَلَوُ مُحَمَّدٍ يَمِ زَه دودی وزه رعِ۔ بلوٹ یرو خلا نم“ (غزل الغزلات ۱۶)  
 ”وہ تو ٹھیک محمد (ﷺ) ہیں، میرے خلیل و حبیب یہی ہیں، اے  
 دختران یروشلم۔“

لیکن عام طور پر بائبل کا جوار و ترجمہ دستیاب ہے اس میں زبردست تحریف کا  
 ارتکاب کیا گیا ہے۔ ’برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی‘ انارکلی، لاہور کے مطبوعہ بائبل میں  
 اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے:

”ہاں وہ سراپا عشق انگیز ہے، اے یروشلم کی بیٹیوں! یہ ہے میرا محبوب، یہ  
 ہے میرا پیارا۔“

محمد (ﷺ) کا ترجمہ ’عشق انگیز‘ کرنا قطعاً غلط ہے۔ پادری صاحبان متفق ہیں  
 کہ ہیکل (قبلہ) نے کسی پیغمبر موعود کی محبت میں بیتاب ہو کر یہ نغمہ سنجی کی ہے، لیکن پھر وہ  
 اس کا مورد عیسیٰ علیہ السلام کو بتاتے ہیں، جبکہ اس ترانہ کے مصنف سیدنا سلیمان علیہ الصلوٰۃ  
 والسلام نے خود ہی ان کا نام بھی ظاہر کر دیا ہے تو پھر کیا شبہ رہا۔

### یسعیاہ نبی کی گواہی :

یہ مدثر انسانیت ﷺ ہی ہیں جن کا ذکر کرتے ہوئے یسعیاہ نبی یوں پکار کر اٹھے:

”اے سمندر پر گزرنے والو اور اس میں بسنے والو! اے جزیرہ داران کے  
 باشندہ خداوند کے لیے نیا گیت گاؤ، زمین پر سرتاسر اسی کی ستائش کرو۔ بیابان  
 اور اس کی بستیاں، قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں۔ سلع کے بسنے  
 والے گیت گائیں۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں، وہ خداوند کا جلال ظاہر  
 کریں اور جزیروں میں اس کی ثنا خوانی کریں۔ خداوند بہادر کی مانند نکلے گا، وہ  
 جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت دکھائیگا، وہ نعرہ مارے گا، ہاں وہ للکارے گا، وہ اپنے

دشمنوں پر غالب آئیگا۔“ (یسعیاہ ۴۲: ۱۰-۱۳)

درج بالا عبارت کی درج ذیل بنیادوں پر غور کرو:

۱۔ عرب کا گزشتہ نام ’جزیرہ‘ ہے۔

۲۔ ’قیدار کے آباد گاؤں‘ سے مراد مکہ و اطراف مکہ ہے، قیدار حضرت اسماعیل

علیہ السلام کے فرزند دوم تھے، جن کا مستقل قیام مکہ مکرمہ میں رہا، تمام عرب قیدار و اخوان قیدار ہی کی اولاد ہیں۔

۳۔ ’سلع‘ سے مراد مدینہ ہے، انبیائے گزشتہ علیہم السلام کی کتب میں مدینہ کا نام سلع ہی استعمال ہوا ہے، و نیز غزوہ خندق میں جہاں خندق کھودی گئیں اس کے پاس ایک پہاڑ ہے جس کا نام اہل مدینہ کی زبان پر ’سلع‘ ہے، اور ہزار ہا سال سے یہی نام آج بھی برقرار ہے، سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے والے پہاڑوں کے نام تبدیل نہیں کر سکتے۔

۴۔ ’جنگی مرد‘ کی اصطلاح بھی انبیائے کرام علیہم السلام کے مقدس گروہ میں سب سے زیادہ نبی امی فداہ امی والی ﷺ ہی پر صادق ہوتی ہے۔ باغبان الہ واحد سے جس قدر قال نبی کریم ﷺ نے کیا اتنا کسی دوسرے نبی نے نہیں کیا، یہاں کسی نبی کی تنقیص مقصود نہیں، بلکہ عرض یہ کرنا ہے کہ میدان غزا و جہاد میں شرکت کی سعادت اور عظیم الشان کامرانیوں کی مسرت جس قدر ہمارے نبی آخر الزمان ﷺ کے حصے میں آئی ہے کسی نبی کو میسر نہیں آئی۔

۵۔ ’نعرے مارے گا‘ اور ’لکارے گا‘ سے مراد اسلام کی عالمگیر تبلیغ ہے، کیونکہ

اسلام محض باشندگان جزیرہ عرب کے لیے مخصوص نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ رسول پاک ﷺ نے شاہانِ عجم کو اسلام کی دعوت دی اور قبول نہ کرنے کی صورت میں ’میدانِ قال‘ میں شرکت کی نوید دے دی۔ یہ اعزاز بھی کسی دوسرے نبی کے حصے میں نہیں آیا کہ اس نے



دنیاے کفر کو اس طرح چیلنج دیا ہو۔

۶۔ وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئے گا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون مصر سے قتال نہیں کیا اور اللہ کے حکم سے اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکل آئے، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اس قوت کو مجتمع نہ کر سکے جو انہیں نفاذ شریعت موسوی کے لے درکار تھی، تا آنکہ یہودیوں کی سازش سے گرفتار کیے گئے، اس وقت سے قبل کہ مصلوب کیے جاتے اللہ رب العزت نے انہیں خطہ ارض ہی سے ایک مقررہ و موعودہ مدت تک کے لیے اٹھالیا، لیکن سید الاولین و الآخین ﷺ جنہیں کبھی اہل مکہ کی اکثریت نے جھٹلایا تھا، بالآخر اپنی قوم پر غالب ہوئے اور پھر یہ غلبہ محض جسم ظاہر ہی کا نہ تھا بلکہ زبان مبارک سے نکلنے والے الفاظ ”لا تشریب علیکم الیوم“ نے روجوں کو فتح کر لیا تھا، وہ قوم جو کل تک بدخواہ اور بداندیش تھی، اب جانثار اور وفادار بن گئی، کیا دنیا کی تاریخ فاتح مکہ ﷺ کی نظیر پیش کر سکتی ہے؟

### حقوق نبی کی بشارت:

یہ محبوب رب العالمین ﷺ ہی ہیں کہ جن کے اہل یثرب پر نزول بابرکت کا ذکر کرتے ہوئے حقوق نبی نے یوں بشارت دی:

”خدا جنوب سے آیا، اور قدوس کوہ فاران سے اس کا جلال آسمان پر

چھا گیا، اور زمین اس کی حمد سے معمور ہو گئی۔“ (حقوق ۳:۳)

عبارت درج بالا پر غور کرو:

{۱} ”خدا جنوب سے آیا“ رسول اللہ ﷺ کی آمد یثرب میں جنوبی جانب سے ہوئی تھی۔ لفظ خدا سے یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ اس سے مراد اللہ ہے، کیونکہ بائبل میں جو آج ہمارے سامنے ہے متعدد مقامات پر خدا اور خداوند کی اصطلاح انبیائے کرام علیہم السلام

کے لیے استعمال ہوئی ہے۔ ہم سے قبل علامہ قاضی سلیمان سلمان منصور پوری رحمہ اللہ نے 'رحمۃ اللعالمین علیہ وسلم' [جلد: ۱ ص: ۸۹] میں اور مولانا مناظر احسن گیلانی نے 'النبی الخاتم علیہ وسلم' [ص: ۳۱، مطبوعہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور] میں خدا سے مراد اللہ ہی لیا ہے، مگر ان ہر دو بزرگوار نے 'خدا جنوب سے آیا' کی وضاحت نہیں کی۔

{۲} 'قدوس کوہ فاران سے' فاران مکہ معظمہ کا نام ہے، کیونکہ اس جگہ فاران بن عوف بن حمیر نے اپنا قبضہ کیا تھا، تورات کی کتاب پیدائش میں حضرت اسماعیل علیہ السلام سے متعلق ہے کہ: "اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا اور تیر انداز بنا۔ اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا۔" (۲۱: ۲۰-۲۱) اور اس پر تمام علمائے تحقیق متفق ہیں کہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کا قیام مکہ مکرمہ میں رہا ہے۔

{۳} اہل بائبل ذرا باشندگان یثرب کی خوشی کا اندازہ لگائیں، جب ہر زبان اپنے محبوب نبی ﷺ کے ذکر مبارک سے ترقی، اس دل کی شادمانی کا اندازہ لگائیں جس نے خوشی سے معمور ہو کر اپنے برہا برس پرانے شہر کے نام کو یک دم 'مدینۃ النبی علیہ وسلم' سے موسوم کر دیا، تا آنکہ آج تک وہ ارض طیبہ 'مدینہ' ہی سے موسوم ہے، اگر اب بھی ان کی عقل 'اس کا جلال آسمان پر چھا گیا اور زمین اس کی حمد سے معمور ہو گئی' کو سمجھنے سے قاصر ہے، تو پھر اس سیاہ بختی پر صد افسوس اور اس حسرت پر ہزار ماتم۔

یہاں یہ ذکر بے محل نہیں کہ مولانا گیلانی نے حقوق نبی کی درج بالا عبارت کو نقل کرتے ہوئے "زمین احمد کی حمد سے معمور ہو گئی" لکھا ہے، مگر ہماری زیر نگاہ بائبل میں 'احمد' کی بجائے 'اس کی' لکھا ہے، کیا شک ہے کہ یہ سب تحریفات ذہنی کی کرشمہ سازیاں ہیں۔

**ملاکی نبی کی پیش گوئی :**

یہ طاہر اعظم ﷺ ہی ہیں کہ جن کے وادی فاران (مکہ) میں فاتحانہ داخلے

کا ذکر کرتے ہوئے ملاکی نبی نے بہت پہلے یہ پیش گوئی کی:

”دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا، اور وہ میرے آگے راہ درست کریگا اور خداوند جس کے تم طالب ہونا گہاں اپنی ہیکل میں آ موجود ہوگا۔ ہاں عہد کا رسول جس کے تم آرزو مند ہو آئیگا رب الافواج فرماتا ہے۔ پر اس کے آنے کے دن کی کس میں تاب ہے؟ اور جب اس کا ظہور ہوگا تو کون کھڑا رہ سکے گا؟ کیونکہ وہ سنار کی آگ اور دھوبی کے صابن کی مانند ہے۔“ (۲-۱:۳)

ملاکی نبی کی کتاب عہد نامہ قدیم کی آخری کتاب ہے لہذا اس کے مصداق مسیح علیہ السلام یا محمد عربی علیہ السلام ہی ہو سکتے ہیں، لیکن عبارت نہایت وضاحت کے ساتھ اس پر دلیل قاطع ہے کہ اس کے مصداق امام الانبیاء علیہ السلام ہیں۔ تشریح ملاحظہ ہو:

{۱} ’خداوند جس کے تم طالب ہونا گہاں اپنی ہیکل میں آ موجود ہوگا۔‘ فتح مکہ کے دن نبی علیہ السلام ناگہاں اہل مکہ کے پاس پہنچے، تاریخ اس پر شاہد ہے، لفظ ’اپنی ہیکل‘ نے سارے عقدے حل کر دیئے، اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ مقام مقدس جسے خود اس کے لئے ’ہیکل‘ (قبلہ) قرار دیا گیا ہو، چنانچہ نبی علیہ السلام کے فتح مکہ سے تقریباً سات برس قبل بیت الحرام کو ہیکل (قبلہ) قرار دیا گیا۔ جب کہ تمام گزشتہ انبیاء بشمول عیسیٰ علیہ السلام کا قبلہ بیت المقدس (یروشلم) تھا ان کے لیے تخصیص ثابت نہیں کی جاسکتی۔ جی نبی کی کتاب میں ہے کہ: ”اس پھلے گھر کی رونق، پہلے گھر کی رونق سے، زیادہ ہوگی رب الافواج فرماتا ہے اور میں اس مکان میں سلامتی بخشوں گا۔“ (۹:۲) کیا اب بھی لوگ ”البلد الامین“ کی عظمت کا انکار کریں گے؟

{۲} ’عہد کا رسول‘ اس آیت قرآنی پر نگاہ ڈالیے: ﴿وَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَّا آتَيْنَهُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحُكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَهُمْ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ

فَاشْهَدُوا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿آل عمران: ۸۱﴾ ”اور جب اللہ نے (تمام) نبیوں سے یہ عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب وحکمت سے دوں، پھر تمہارے پاس رسول آئے، اس کی تصدیق کرتا ہوا جو تمہارے پاس ہے تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے، اور ضرور اس کی مدد کرو گے، کہا: کیا تم نے اقرار کیا؟ اور تم نے اس پر میرا عہد قبول کیا، ان سبھوں نے کہا کہ ہم نے اقرار کیا، کہا پس تم گواہ رہو۔ اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔“ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول حبیب ﷺ واحد ﷻ سے متعلق گزشتہ تمام انبیائے ذی کرام علیہم السلام سے عہد لیا گیا تھا اور جس کا گواہ خود اللہ رب العزت ہے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عہد کا رسول ثابت کرتے ہیں۔ جبکہ ان کا عقیدہ ہے کہ وہ ابن اللہ ہیں، مزید برآں آج گزشتہ صحف انبیائے کرام علیہم السلام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کوئی پیشینگوئی موجود نہیں، لیکن حضرت محمد ﷺ سے متعلق پیشینگوئی اس محرف شدہ بائبل میں بھی بکثرت موجود ہے۔ سچ ہے کہ تعصب انسان کو صم بکم غمعی بنا دیتا ہے۔

{۳} آنحضرت ﷺ کی آمد جس شان سے مکہ معظمہ بالفاظ دیگر اپنے ہیکل میں ہوئی تاریخ انسانی اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اہل مکہ کو محاذ آرائی کرنے کی ہمت ہی نہ ہو سکی۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام عیسائی تعلیمات کے مطابق مغلوب ہوئے تھے، غالب نہیں۔ متی کی انجیل میں ہے: ”اس پر حاکم کے سپاہیوں نے یسوع کو قلعہ میں لے جا کر ساری پلٹن اس کے گرد جمع کی۔ اور اس کے کپڑے اتار کر اسے قرمزی جوغہ پہنایا۔ اور کانٹوں کا تاج پہنا کر اس کے سر پر رکھا اور ایک سرکنڈا اس کے دہنے ہاتھ میں دیا اور اس کے آگے گھٹنے ٹیک کر اسے ٹھٹھوں میں اڑانے لگے کہ اے یہودیوں کے بادشاہ آداب! اور اس پر تھوکا اور وہی سرکنڈا لے کر اس کے سر پر مارنے لگے۔ اور جب اس کا ٹھٹھا کر چکے تو جوغہ کو اس پر سے اتار کر پھر اسی کے کپڑے اسے پہنائے اور مصلوب کرنے

کو لے گئے۔“ (۲۷:۲۷-۳۱) اعاذنا اللہ من هذه العبارات الواهية۔ لیکن جب عہد کے رسول علیہ السلامؐ دنیا سے تشریف لے گئے تو وہ فاتح تھے مفتوح نہیں۔ جاء الحق وزهق الباطل

### یحییٰ علیہ السلام کی گواہی :

اور یہ طیب عظیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں، جن کا ذکر سیدنا یحییٰ علیہ السلام اور علمائے یروشلم کی گفتگو میں بائیں طور ہوا:

”اور یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں، کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ بس انہوں اس سے کہا پھر تو ہے کون؟ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا میں جیسا یسعیاہ نبی نے کہا ہے بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو۔ یہ فریسیوں کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ انہوں نے اس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟۔ یوحنا نے جواب میں ان سے کہا کہ میں پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں تمہارے درمیان ایک شخص کھڑا ہے جسے تم نہیں جانتے۔ یعنی میرے بعد کا آنے والا جس کی جوتی کا تمہ میں کھولنے کے لائق نہیں۔“ (یوحنا: ۱۹:۱-۲۷)

عبارت مذکورہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ کاہن اور لاوی نے (یوحنا) یحییٰ علیہ السلام سے تین شخصیات سے متعلق سوال کیا تھا۔

- (۱) مسیح: جو بلاشبہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔
- (۲) ایلیاہ: ہمارے خیال میں 'ایلیاہ' سے مراد الیاس علیہ السلام ہیں۔ جو سیدنا عیسیٰ سے قبل آچکے تھے، جیسا کہ مرقس کی انجیل میں ہے کہ یسوع مسیح فرماتے ہیں: "میں تم سے کہتا ہوں ایلیاہ تو آچکا اور جیسا اس کے حق میں لکھا ہے انہوں نے جو کچھ چاہا اس کے ساتھ کیا۔" (مرقس ۹: ۱۳)
- (۳) وہ نبی: کاہن اور لاوی نے تیسرا اور اہم سوال یہ پوچھا کہ 'کیا تو وہ نبی ہے؟' اس طرز سوال سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بنی اسرائیل کسی نبی کی آمد کے شدت سے منتظر تھے۔ 'وہ نبی' جو 'عہد کا نبی' تھا اور 'وہ نبی' سے مراد پیغمبر آخر الزماں محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔

### عیسیٰ علیہ السلام کی بشارات :

یہ امام المرسلین ﷺ ہی ہیں، جن کی آمد کا یقین اپنی امت کو یسوع مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بایں طور دیا:

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔" (یوحنا ۱۶: ۷)

"جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائیگا، اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ وہ میرا جلال ظاہر کرے گا۔" (یوحنا ۱۶: ۱۲-۱۳)

ان الفاظ میں مسیح علیہ السلام نے واضح طور پر یہ بشارت دی ہے کہ میرے بعد ایک نبی (ﷺ) آئے گا۔ چند امور پر بالخصوص نگاہ ڈالے:

(۱) 'میں اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا'۔ عبارت کی روح یہی ہے کہ حضرت مسیح اور نبی مہسر (ﷺ) کے درمیان کوئی دوسرا نبی نہیں ہوگا۔ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو اپنے بعد آنے والے رسول کی بشارت دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ﴿مَنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ﴾۔ [الصف: ۶] اس میں بھی یہی نکتہ پوشیدہ ہے۔ کیا عیسائی پادری صاحبان بتا سکتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ سے قبل اور عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی ذات گرامی ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا؟

(۲) 'وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا'۔ قرآن میں: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ. إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ [النجم: ۳]

(۳) 'تمہیں آئندہ کی خبر دے گا'۔ قرآن جہاں 'اساطیر الاولین' ہے، وہاں اس میں 'اطلاع اخبار مستقبلہ' بھی ہے، جن میں سے بعض اپنی حقانیت کے ساتھ پوری ہو چکیں اور بقیہ اپنے وقت موعود پر پوری ہوں گی۔

(۴) 'وہ میرا جلال ظاہر کرے گا'۔ جب حضرت مسیح گئے تو ان کا وجود طرح طرح کے بہتانوں میں مستور ہو چکا تھا۔ یہودیوں نے ان پر سب سے غلیظ اعتراض یہ کیا تھا کہ ان کا وجود فعل بد کا نتیجہ تھا، یہ نبی کریم ﷺ ہی تھے جنہوں نے رفعت عیسوی کو ظاہر کیا۔ قرآن کریم میں مریم علیہا السلام کی شان میں ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَىٰ نِسَاءِ

الْعَالَمِينَ﴾ [آل عمران: ۴۲]

”بے شک اللہ نے تمہیں چن لیا، اور پاک کیا اور تمام جہاں کی عورتوں پر فضیلت دی“

یہودیوں کے افتراء عظیم کو اس طرح مسترد کیا:

﴿وَبِكْفَرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا﴾ [النساء: ۱۵۶]

” (ان کے دلوں پر مہر لگا دی) ان کے کفر اور مریم (علیہا السلام) پر بڑا بہتان باندھنے کی وجہ سے۔“

اور پیدائش عیسیٰ کی حقیقت اس طرح بیان فرمادی:

﴿قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا؟ قَالَ كَذَلِكَ، قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا﴾ [مریم: ۲۰-۲۱]

” (مریم علیہا السلام) نے کہا: یہ کیونکر ممکن ہے کہ مجھے لڑکا ہو، جبکہ مجھے کسی مرد نے نہیں چھوا، اور نہ ہی میں بدکردار ہوں۔ (فرشتے نے کہا): ایسا ہی ہوگا، (کیونکہ) تمہارے رب نے فرمادیا ہے کہ یہ مجھ پر کچھ مشکل نہیں اور یہ اس لیے ہوگا کہ لوگوں کے لیے نشانی بنادوں، اور میری رحمت ہو اور ایسا ہونا طے پاچکا۔“

کیا عیسائی برادران بتائیں گے کہ حضرت مسیح کی پیش گوئیوں کا اطلاق ہمارے نبی کریم ﷺ کے سوا کس ہستی پر ہوتا ہے؟

### ہندو مت میں :

پھر ہندو مت کے وید مقدس میں بھی ’نراشنس‘ (انتہائی لائق تعریف شخصیت) کے خطاب سے آپ ﷺ کا ذکر کیا گیا، جو کہ سنسکرت میں ’محمد‘ کا باکل درست متبادل ہے، شمس نوید عثمانی کی تحقیق کے مطابق چاروں وید میں کل ۳۱ مقامات پر نراشنس (محمد ﷺ) کا ذکر موجود ہے۔ (اگر اب بھی نہ جاگے تو: ۱۳۲)

’اتھروید‘ میں ہے:

”لوگو! سنو! محمد (ﷺ) کو لوگوں کے درمیان مبعوث کیا جائے گا۔ اس مہاجر کو ہم ساٹھ ہزار اور ٹوے دشمنوں سے اپنی پناہ میں لیں گے، اس کی سواری



اونٹ ہوگی جس کے ساتھ بیس مادہ اونٹنیاں ہوگی۔ جس کی عظمت آسمانوں کو بھی جھکا دے گی اس عظیم رشی کو ۱۰۰ دینار، دس مالا کیں، تین سو گھوڑے اور دس ہزار گائیں عطا کی گئی ہیں۔“ (۲۰-۱۲۷-۳، ۲، ۱)

پنڈت وید پرکاش اپادھیائے نے اپنی کتاب ’نرا شنس اور اتم رشی‘ میں اس کی تشریح میں کئی باب لکھے، جس میں ثابت کیا کہ:

”تمثیلی زبان میں ۱۰۰ دینار سے مراد ۱۱۰۰ اصحاب صفہ ہیں، دس مالاؤں سے مراد دس عشرہ مبشرہ ہیں۔ تین سو گھوڑے سے مراد ۳۱۳ مجاہدین اور دس ہزار گائیوں سے مراد دس ہزار اصحاب کادہ لشکر ہے جو فتح مکہ کے وقت آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا۔“ [بحوالہ اگر اب بھی نہ جاگے تو: ۱۳۳]

ان سطور کا گناہگار راقم اس پر یہ اضافہ کرتا ہے کہ جب نبی آخر الزماں ﷺ کا ظہور ہوا تو اس وقت مکہ کی آبادی تقریباً ۶۰ ہزار نفوس پر مشتمل تھی اور یہی عبارت بالا ’اس مہاجر کو ہم ساٹھ ہزار اور نوے دشمنوں سے اپنی پناہ میں لیں گے‘ کی تشریح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

### گوتم بدھ کی وصیت :

مہاتما گوتم بدھ سے متعلق مولانا مناظر احسن گیلانی رقمطراز ہیں:

”اگرچہ بہت کچھ مٹ چکا ہے، لیکن مٹنے سے جو چیزیں بچ گئیں ہیں، اس میں مہاتما بدھ کا یہ آخری فقرہ اب تک زندہ ہے جس کو اپنی زندگی ختم کرتے ہوئے خدا کے اس بندے نے اپنے شاگرد دندا کے کان میں اس وقت ڈالا جب اس کی سانس اکھڑ رہی تھی اور اس کا یہ مخلص خادم اس کے قدموں کو اپنے آنسوؤں سے یہ کہتے ہوئے دھو رہا تھا: ”آقا آپ کے جانے کے بعد دنیا کو کون

تعلیم دے گا؟“

”بدھ نے اس کے جواب میں کہا: ”نندا! میں پہلا بودھ نہیں جو زمین پر آیا، نہ میں آخری بودھ ہوں، اپنے وقت پر دنیا میں ایک اور بودھ آئے گا۔“

”مقدس، منور القلب، عمل میں دانائی سے لبریز، مبارک، عالم کائنات انسانی کا عظیم النظیر سردار، جو غیر فانی حقائق میں ظاہر کرتا رہا ہوں، وہ بھی وہی ظاہر کرے گا، وہ ایک مکمل اور خالص مذہبی نظام زندگی، میری طرح تبلیغ کرے گا۔“

”نندا نے کہا: ”ہم اس کو کس طرح پہچانیں گے؟“

”آقا نے فرمایا: ”وہ میتر یا کے نام سے موسوم ہوگا۔“

”۱۶ اکتوبر ۱۹۳۰ء کی اشاعت میں الہ آباد کے مشہور ہندو انگریزی اخبار لیڈر میں ایک بدھشٹ کا یہ مضمون صفحہ سات کالم تین میں شائع ہوا تھا، جس میں اسی ”میتر یا“ لفظ کا ترجمہ نامہ نگار مذکور نے لکھا تھا۔ ”وہ جس کا نام رحمہ ہے۔“

[النبی الخاتم: ۳۱-۳۲ مطبوعہ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور]

وہ کوئی ہستی ہے جو دنیاۓ عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجی گئی ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ

إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ [الانبیاء: ۱۰۷]

اور کیا اب بھی بودھ مذہب کے بھکشوؤں کے پاس رفعت محمدی ﷺ سے

انکار کی کوئی راہ باقی ہے؟

## اسلام دین فطرت

﴿فطرت اللہ الی فطر الناس علیہا۔ لا تبدیل لخلق اللہ﴾

انسان روح لطیف اور مادہ ظاہر کا مرکب ہے، گویا اس کی زندگی کے دورِ خ ہیں، ایک روحانی دوسرا مادی۔ ایک الہامی دین کا فریضہ ہے کہ وہ انسانیت کے لیے ایسا منشور حیات (Life Ordinance) پیش کرے جو انسان کی روحانی و مادی ضرورتوں کا مکمل ادراک رکھتے ہوئے اس کے لیے راہ حیات کا تعین کرے۔

کیونکہ انسانی ذہن کے لیے ناممکن ہے کہ وہ اپنے لیے کسی منشور حیات کو مرتب کر سکے۔ خالق اپنے مخلوق سے آگاہ ہوتا ہے لیکن مخلوق کے لیے ناممکن ہے کہ وہ اپنے کل سے آگاہ ہو۔ انسان کی مادی ترقیاں گواہ کمال پر پہنچ چکی ہیں مگر روح کے لطافت و اسرار سے ہنوز آگاہی نہ ہو سکی۔

پھر انسان کے مادی تقاضوں کے پیانے بھی جدا ہیں، لہذا ممکن ہی نہیں کہ ایک انسانی ذہن کوئی ایسا قانون حیات مرتب کر سکے جو عالم انسانیت کے لیے یکساں قابل قبول ہو۔

ایک انسان جب روحانی ضرورتوں کی طلب پر متوجہ ہوتا ہے تو بالآخر اس کی غلو و شدت کا نتیجہ رہبانیت کی صورت میں نکلتا ہے۔ اسے دنیادی زندگی عذاب اور حیات دنیوی کے تعلقات و بال جان محسوس ہوتے ہیں۔ لہذا وہ ’فرار‘ میں طمانیت قلب کے راز کو تلاش کرتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ دنیا کی کل کجا ایک چوتھائی آبادی بھی پہاڑوں کے کوہ اور صحراؤں کی وسعتوں کو اپنا مسکن نہیں بنا سکتی۔

یہی حال اس کی مادی ضرورتوں کا ہے، طلب نفس کی راہ میں اٹھتا محض ایک

قدم، بالآخر اسے خواہشات نفس کی ذلت آمیز غلامی میں داخل کر دیتا ہے۔ انسان بڑا عجیب الخلق وجود ہے، وہ پہاڑوں کی انتہائی سر بلندیوں سے نہیں گھبراتا اور بالآخر اسے بھی سر کر لیتا ہے، وہ سمندر کی انتہائی گہرائیوں سے پریشان نہیں ہوتا اور بالآخر وہاں سے بھی اپنا گوہر مقصود حاصل کر لیتا ہے، اسے طوفان کی شورشیں اور صحرا کی وسعتیں مضطرب نہیں کرتیں، لیکن جذبہ دل کی محض ایک انگڑائی اسے زیر کر کے نفسانی حظوظ و لذات کا بندہ بے دام بنا دیتی ہے۔

اس لیے ضروری تھا کہ خالق کائنات انسان کو ایک رہبر کامل اور شریعت جامع عطا فرمائے، کیونکہ اس کی رحمت کا اقتضاء یہی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو حیران و سرگرداں نہ چھوڑے۔ چنانچہ جب طبائع انسانیت اس مقام پر پہنچ گئی کہ روحانی پیغامات ربانی کو سمجھ سکے اور اس سے مستفید ہو سکے تو اس ہادی عالم ﷺ کا ظہور بھی ہوا اور اس شریعت کامل کا نزول بھی۔ چونکہ اسلام صرف فطرت کے اصولوں سے ہم آہنگ ہی نہیں بلکہ گزشتہ شریعتوں کا تکمیل کنندہ بھی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جو جامعیت یہاں ہے وہ کہیں نہیں۔

اب مختلف گوشہ ہائے حیات پر نگاہ ڈالو، اور دیکھو کہ اسلام کے پاس کیسے سنہری اصول ہیں جو فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں۔ کیا دنیا کا کوئی ایسا مذہب ہے جو اسلام کے اس دعوے کی تردید کر سکے؟

### اصلاح نفس و باطن :

ایک جامع مذہب کے لیے ضروری ہے کہ وہ روح و جسم دونوں کے تقاضوں کو سمجھے، اصلاح نفس و باطن کے لیے ہندومت کے پاس کیا ہے؟ کیا ان کے 'شٹ درشن' (چھ فلسفے) کو سمجھنا عام انسانی ذہن کے اختیار میں ہے؟ 'یوگ درشن' میں جن ریاضتوں کا ذکر ہے کیا اسے عام انسانی جسم قبول کر سکے گا؟

بدھ مت کے رشی گوتم بدھ کی رہبانیت کیا عالم انسانیت کے مسائل کا حل بن سکتی ہے؟ گوتم بدھ کے بعد ان کے پاس جو کچھ بھی آیا اس میں ہندوستانی فلسفے کا اثر نمایاں رہا، یہی وجہ ہے کہ خامیاں تو پروان چڑھیں لیکن اصلاح کی کوئی صورت نہ نکل سکی۔

مذہب عیسوی کے حاطین کا عقیدہ ہے کہ ’یسوع‘ (نجات دلانے والا) عالم انسانیت کے لیے نجات دہندہ بن کر آئے گا۔ یہ ٹھیک ہے کہ ان کے پاس اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کی بڑی عمدہ تعلیم ہے ’یسوع مسیح‘ کا فرمان ہے:

”اگر تیرا ہاتھ یا تیرا پاؤں تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے ہٹ کر اپنے پاس سے پھینک دے۔ ٹھڈا لنگڑا ہو کر زندگی میں داخل ہوتا تیرے لیے اس سے بہتر ہے کہ دو ہاتھ دو پاؤں رکھتا ہو تو ہمیشہ کی آگ میں ڈالا جائے گا۔ اور اگر تیری آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے۔ کانا ہو کر زندگی میں داخل ہوتا تیرے لیے اس سے بہتر ہے کہ دو آنکھیں رکھتا ہو تو آتش جہنم میں ڈالا جائے۔“ (متی ۱۸: ۸-۹)

یہ تعلیم فلسفہ اخلاق کی ضخیم کتابوں میں تو ادب و انشاء کا شاہکار بن سکتی ہے، لیکن عملاً زندگی میں نافذ نہیں ہو سکتی، پیر و کاران مسیح بتلائیں؟ ان میں سے کتنے ٹڈے، لنگڑے اور اندھے ہوئے؟ اور پھر غور کرو کہ مذہب عیسوی میں تو بہ و انا بت کی بھی کوئی منزل ہے؟

لیکن اسلام نے جو روحانی تعلیم دی اس میں عبودیت کے مظاہر بھی ہیں اور معبود کے تسلیم و رضا کے جلوے بھی، رغبت تعظیم و امر و نواہی بھی ہے اور جذبہ طلب مقصود حقیقی بھی۔ اسلام ہی ہے جس نے تو بہ و انا بت، تسلیم و رضا، علم و حکمت، تسکین و طمانیت، الہام و مکاشفہ، صدق و ایثار، انبساط و ادب، وجود و شہود، ذوق و شوق اور شکر و صبر کی واضح تعریفات کیں۔ ’بخاری شریف‘ کی مشہور حدیث احسان ملاحظہ ہو: ’احسان‘ کی تعریف

کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

”ان تعبد الله کانک تراہ ، فان لم تکن فانہ یراک“۔ [کتاب

الایمان، باب: سؤال جبریل النبی ﷺ عن الایمان والإسلام والاحسان]

”تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، پس اگر یہ

ممکن نہ ہو (تو خیال رہے کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔“

اس مختصر سی عبارت میں عبد و معبود کے رابطہ روح و قلب کے لیے جو نکات عارفانہ موجود ہیں کیا دنیا کا کوئی مذہبی صحیفہ اس سے برتر تو کجا، اس کی برابری بھی کر سکتا ہے؟

### مساوات انسانی :

آج دنیا آزادی اور مساوات انسانی کے نعرے لگا رہی ہے۔ لیکن مذاہب منسوخہ کے پاس مساوات انسانی کی کیا تعلیم ہے؟ ہنود نے واضح طور پر انسانیت کے چار جداگانہ پیمانے مقرر کر دیئے۔ خالق کائنات کی ’چہیتی قوم‘ یہود نے خود کو ہمیشہ دوسروں سے برتر سمجھا اور پھر کروڑ ہا افراد انسانی کے پیشوا یسوع مسیح نے بھی اپنے عجز کا برملا اظہار فرمایا:

”میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس

نہیں بھیجا گیا۔“ (متی ۲۳: ۱۵)

لیکن اسلام کے فلسفہ مساوات انسانی پر نگاہ ڈالو، کس طرح عرب و عجم یکساں احترام آدمیت کے لائق ٹھہرے، فارس کے سلمان (رضی اللہ عنہ) کا نسب نامہ ’اسلام بن اسلام بن اسلام‘ ہو گیا اور حبشہ کے بلال (رضی اللہ عنہ) سیدنا بلال بن گئے۔ اور کیا تاریخ انسانی مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات کی نظیر پیش کر سکتی ہے؟ ﴿ہاتو برہانکم ان

کنتم صادقین﴾

## حقوق نسواں :

آج حقوق عالم انسانی کے عالمی چیمپین 'حقوق نسواں' کی بات کرتے ہیں۔ لیکن مذاہب منسوختہ نے عورت کو کیا مقام دیا؟ ہندومت میں ایک عورت اپنے پتی (شوہر) کے دیہانت (انتقال) کے بعد مجبور تھی کہ وہ آگ میں جل کر سستی (رسم قبیح کا نام) ہو جائے۔ عہد نامہ قدیم (جسے یہود و عیسائی دونوں مانتے ہیں) میں ہے کہ عورت کو دروازہ کی تکلیف بھی گناہ کی وجہ سے ہوتی ہے اور لطف یہ کہ اس کے اپنے گناہ کی وجہ سے نہیں بلکہ نسل انسانی کی مبداء و سرچشمہ ذات بی بی حوا کے گناہ سے، تو راتِ محرفہ کے الفاظ ہیں:

”اس (اللہ) نے عورت سے کہا کہ میں تیرے درجمل کو بہت بڑھاؤں گا تو درد کے ساتھ بچے جنے گی۔“ (پیدائش ۳: ۶۱)

کیا یہی پروردگارِ اعلیٰ کا انصاف ہے؟ خطابی بی حوا سے سرزد ہو اور تکلیف دنیا کی تمام عورتیں سہیں۔

پھر غور کرو، مذہب یہود و مسیح میں عورت کو کیا معاشرتی حقوق ملے؟ لیکن اسلام نے عورت کو اس کا جائز مقام دیا، مردوں کو عورتوں سے حسن سلوک کی تاکید کی۔ وراثت میں عورتوں کو حصہ دیا۔ اعمالِ صالحہ کی راہ میں مرد و زن کو یکساں رفیق قرار دیا۔

## نظام ازدواج :

نظام ازدواج پر غور کرو۔ ہندومت میں عورت مجبور محض تھی کہ اپنے شوہر سے تمام عمر وابستہ رہے اور اگر اس کا پتی (شوہر) مر جائے تو وہ خود بھی سستی ہو کر مر جائے۔

توریت میں ہے:

”اگر کسی آدمی کو کوئی کنواری لڑکی مل جائے جس کی نسبت نہ ہوئی ہو اور وہ

اسے پکڑ کر اس سے صحبت کرے اور دونوں پکڑے جائیں۔ تو وہ مرد جس نے اس سے صحبت کی ہو لڑکی کے باپ کو چاندی کی پچاس مثقال دے اور وہ لڑکی اس کی بیوی بنے کیونکہ اس نے اسے بے حرمت کیا اور وہ اسے اپنی زندگی بھر طلاق نہ دینے پائے۔ (استثنا ۲۲: ۲۸-۲۹)

’استثنا‘ ہی میں ہے کہ اگر کوئی شخص وفات پا جائے تو اس کی بیوی لازماً اس کے بھائی کے عقد میں آئے۔ (۱۰-۵: ۲۳)

یسوع مسیح کا فرمان ہے:

”جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے اور جو کوئی چھوڑی ہوئی سے بیاہ کر لے وہ بھی زنا کرتا ہے۔“ (متی ۱۹-۹)

لیکن اسلام نے نکاح کو خواہشات جملی کی بجائے بقائے نسل انسانی کا ضامن قرار دیا، مرد و زن دونوں کی رضامندی کو یکساں اہمیت دی۔ مرد کو اگر طلاق کا اختیار ہے تو عورت کو خلع کا حق حاصل ہے۔

### تعداد ازدواج:

اسلام میں مردوں کو بیک وقت چار نکاح کرنے کی اجازت حاصل ہے، جس پر مکررین اسلام کو خاصا اعتراض ہے، لیکن

(۱) سری کرشن جی، جو اوتاروں میں سولہ کلاں سپورن تھے کے بارے میں لالہ لاجپت رائے آنجھانی نے اپنی کتاب ’کرشن چرتر‘ میں لکھا ہے کہ ان کے حرم میں ۱۸ رانیاں تھیں۔ [رحمۃ اللعالمین ۱/ ۱۲۵]

(۲) سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ۳ بیویاں تھیں۔ [ملاحظہ ہو: پیدائش ۱۶: ۱-۳، ۲۵: ۱]



(۳) سیدنا یعقوب علیہ السلام کی ۴ بیویاں تھیں۔ [ملاحظہ ہو: پیدائش ۲۹، ۲۳، ۲۸، ۳۰: ۹، ۴]

(۴) سیدنا داؤد علیہ السلام کی متعدد بیویاں تھیں۔ [ملاحظہ ہو: ۱۰: ۱، سوتیل ۲۷: ۱۸، ۳: ۲۷]

۲۔ سوتیل ۱: ۳، ۵، ۵، ۱۳: ۱۱، ۲۷: ۱۲، ۲۳: ۲۰، ۳: ۲۰]

(۵) سیدنا سلیمان علیہ السلام کی ۷۰۰ شاہزادیاں بیویاں اور ۳۰۰ حرمیں تھیں۔

[ملاحظہ ہو: ۱۰: ۱، سلاطین ۳: ۱۱]

یسوع مسیح نے تجرد کی گزاری، ان کی زندگی میں کسی شخص کی متاہلانہ زندگی کے لیے کوئی نمونہ نہیں۔ لیکن درج بالا شخصیات اور ان کے تعداد از دواج کو ملاحظہ فرمانے کے بعد آخر اسلام پر اعتراض کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

### فلسفہ جہاد و قتال:

اسلام کے فلسفہ جہاد و قتال کو بڑا مطعون کیا جاتا ہے؟ اور آج کل یہ شور و غوغا کچھ زیادہ ہی ہے۔ لیکن دوسرے مذہبی صحیفے اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

ہندومت کو اپنے اصول 'اہنسا' (کسی کو نہ مارنا) پر تازہ ہے، لیکن حقیقتاً اس پر وہ کتنا عمل کرتے ہیں۔ ان کے مذہبی صحیفوں میں محض 'سیتا' کے لیے کتنے 'لنکا' ڈھائے گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ہندومت کے مقدس صحیفے دیگر شعبہ ہائے زندگی سے متعلق متضاد بیانات لئے ہوئے ہیں ویسے ہی جہاد و قتال پر بھی تضاد نمایاں ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو 'گیتا' کی تعلیم سے متعلق لکھتے ہیں:

”آج ہر فلسفہ اور فکر کے مختلف مدعی گیتا ہی کو اپنی توجہات کا مرکز بنائے ہوئے ہیں اور ہر ایک اپنے اپنے مطلب کے مطابق اس کی تفسیر کر رہا ہے گاندھی جی اپنے عقیدہ اہنسا کی بنیاد گیتا پر رکھتے ہیں تو ایسے لوگ بھی ہیں جو ہنسا (تشدد) اور جنگ کا جواز بھی اس سے ثابت کرتے ہیں۔“ [The Discovery

of India بحوالہ ہندومت، اسلام اور پاکستان: ۳۱]

خداوند کی 'چیمپی قوم' یہود کو جنگ و قتال کے 'سنہری اصول' ملتے ہیں:

”تم ان سے یہ سلوک کرنا کہ ان کے مذبحوں کے ڈھادیٹا، ان کے ستونوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا اور ان کی لیسیرتوں (باغوں) کو کاٹ ڈالنا اور ان کی تراشی ہوئی مور تیں آگ میں جلا دینا“۔ (استثنا: ۵)

مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں:

”یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں، صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں، کیونکہ میں اس لئے آیا ہوں کہ آدمی کو اس کے باپ سے اور بیٹی کو اس کی ماں سے اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کر دوں۔“

(متی: ۱۰: ۳۴-۳۵)

یہودیوں اور عیسائیوں کے جنگجوانہ جذبات ملاحظہ ہوں، گویا۔

نفعی بے تاب ہیں تاروں سے ٹکٹنے کے لیے

بس موقع ملنے کی دیر ہے، صلح و رعایت کی کوئی گنجائش نہیں۔

لیکن قرآن نے مسلمانوں کو حکم دیا:

﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا﴾

[البقرة: ۱۹۰]

”اور تم اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔“

﴿وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾

[الانفال: ۶۱]

”اور اگر وہ صلح پر آمادہ ہو جائیں تو تم بھی تیار ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ

رکھو۔“

فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے جو احکام صادر فرمائے، ان میں سے

چند ملاحظہ ہوں:

- (۱) جو کوئی ہتھیار پھینک دے اسے قتل نہ کیا جائے۔
- (۲) جو کوئی شخص خانہ کعبہ کے اندر پہنچ جائے، اسے قتل نہ کیا جائے۔
- (۳) جو کوئی شخص اپنے گھر کے اندر بیٹھ رہے، اسے قتل نہ کیا جائے۔
- (۴) بھاگ جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔
- (۵) زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔
- (۶) اسیر کو قتل نہ کیا جائے۔ [رحمۃ اللعالمین: ۱۱۳/۱]

کیا دنیا کا کوئی ایسا مذہب ہے جو اسلام سے بڑھ کر جنگ و قتال کے ایسے عمدہ اصول وضع کرتا ہو؟

اس بات میں کیا شبہ ہے کہ اسلام ہی دنیائے عالم کا واحد دین ہے جو جامعیت و کاملیت رکھتا ہے۔ اس اصول کو ہر شعبہ ہائے زندگی میں آزمایا جاسکتا ہے۔

## نزول عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

تحقیق و تدقیق کے اس عہد زریں میں جن مسائل کی طرف اُسر نو زحمت تحقیق، گوارا کی گئی ہے، ان میں سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزول کا معاملہ بھی ہے۔ اہل سنت والجماعت میں یہ مسئلہ تقریباً اجماعی رہا ہے، گوارا باب علم کی ایک مختصر جماعت اس کی منکر بھی رہی ہے۔

زیر نظر تحریر میں اس موضوع سے متعلق صحائف دینی و مذہبی کی روشنی میں غیر جانبدارانہ روش اختیار کرتے ہوئے مختصراً معروضات پیش خدمت ہیں۔

### سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق عقائد اربعہ:

سب سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جب دنیا سے تشریف لے گئے تو ان کی ذات سے متعلق چار عام بنیادی عقائد تھے، وہ عقائد اربعہ درج ذیل ہیں:

☆ بغیر والد کے ولادت

☆ مصلوب ہونا یا ہو کر زندہ ہو جانا

☆ الوہیت مسیح

☆ رفع الی السماء اور نزول ساعت موعودہ

یوحنا کی انجیل میں ہے:

”لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے

بھیجوں گا یعنی روح حق جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے

گا۔“ (۲۶:۱۵)

”مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ وہ میرا جلال ظاہر کرے گا۔“ (۱۶: ۱۲-۱۳)

برناباس کی انجیل میں ہے:

”اسی کے ذریعے ہمارے خدا کی معرفت اور تعجید ہوگی، اور میرا سچا ہونا معلوم ہوگا، اور وہ ان سے انتقام لے گا جو مجھے بشر سے کچھ بڑھ کر بتائیں گے۔“ (باب ۷۲)

اناجیل کے ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جو عظیم المرتبت ہستی مقام نبوت پر فائز ہوگی وہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ذات سے متعلق شکوک و شبہات اور ظن و تخمین کی جگہ دنیا کو علم حق و یقین صریح سے آشنا کرے گی۔ چنانچہ جب اس ہادی عالم (ﷺ) کا ظہور مبارک ہوا، تو ان کی تعلیمات میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق عقائد اربعہ پر قول فیصل بھی ظاہر ہوا۔ قرآن عظیم نے ولادت عیسوی سے متعلق یہودیوں کے الزامات و اتہامات کا دھوکا انکار کیا بلکہ سیدہ مریم علیہا السلام کی پاکی اور حضرت مسیح علیہ السلام کی غیر معمولی ولادت کا ذکر خاص انہی الفاظ و پیرایے میں کیا جو انجیل میں مرقوم ہے:

﴿قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا. قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىٰ هَيْئٍ وَلِنَجْعَلَ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا﴾ [سورۃ مریم: ۲۰-۲۱]

”مریم نے فرشتہ سے کہا: یہ کیونکر ہوگا جبکہ میں مرد کو نہیں جانتی؟۔ اور فرشتہ نے جواب میں اس سے کہا کہ: روح القدس تجھ پر نازل ہوگا اور خدا تعالیٰ

کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی۔“ (لوقا: ۳۴)

قرآن کریم نے سیدنا مسیح علیہ السلام سے متعلق اس خیال فاسد کی بھی واضح الفاظ میں تردید کر دی کہ انہیں مصلوب کیا گیا: ﴿وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ [النساء: ۱۵۷]

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی بھی صاف لفظوں میں تردید کر دی گئی: ﴿اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ﴾ [آل عمران: ۴۵] ﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ [آل عمران: ۵۹] ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ﴾ [الزخرف: ۵۹]

### نزول عیسیٰ علیہ السلام قرآن کی نظر میں :

لیکن سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق عقائد اربعہ کے آخری اور سب سے اہم عقیدے سے متعلق قرآن کیا کہتا ہے؟

﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَىٰ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَمَةِ ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأَخَذُكُمْ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ﴾ [سورة آل عمران: ۵۵]

﴿وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ [سورة النساء: ۱۵۷-۱۵۸]

﴿وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا﴾ [سورة النساء: ۱۵۹]

﴿وَإِنَّهُ لَعَلَّمَ لِّلسَّاعَةِ﴾ [سورة الزخرف: ۶۱]

اول الذکر آیت میں 'انسی متوفیک' فرمایا گیا، لفظ توفی 'وفا' سے مشتق ہے، جس کے معنی پورا پورا لینے کے ہیں، انہی معنوں میں وفات کا لفظ موت کے لیے بھی اصطلاحاً مستعمل ہے کیونکہ موت انسان کے تمام تر علاقہ کا دنیا سے خاتمہ کر دیتی ہے۔ لیکن قرآن کریم میں 'توفی' کا لفظ کہیں بھی موت کے لیے استعمال نہیں ہوا، چنانچہ فرمایا گیا ﴿حَتَّىٰ يَتُوفَهُنَّ الْمَوْتُ﴾ یہاں موت اور توفی ایک ساتھ استعمال ہوئے ہیں، کیونکہ یہ دونوں لغوی اعتبار سے ہم معنی یا مترادف نہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

www.KitaboSunnat.com

”لفظ التوفی فی لغت العرب معناه الاستيفاء و القبض و ذلك ثلاثة انواع احدها توفی النوم، و الثانی توفی الموت و الثالث توفی الروح و البدن جميعاً.“ [الجواب الصحيح: ۲/۲۸۳، بحوالہ حیات عیسیٰ علیہ السلام: ۷۷ مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور]

”لغت عرب میں توفی کے معنی استیفاء پورا پورا لینے کے ہیں اور توفی کی تین قسمیں ہیں ایک توفی نوم یعنی نیند اور خواب کی توفی اور دوسری توفی موت کے وقت روح کو پورا پورا قبض کر لینا، تیسری توفی الروح والجسد یعنی روح اور جسم کو پورا پورا لے لینا۔“

اس کے بعد فرمایا 'رافعک الی' اس میں جو 'رفع' ہے، وہ آیت کی تفسیر میں نہایت اہمیت کا حامل ہے، قرآن کریم میں متعدد مقامات پر رفع بمعنی بلندی درجات بھی آیا ہے۔ لیکن زیر بحث آیت میں 'رفع' کے ساتھ 'الی' بھی شامل ہے، جس کا غالب قرینہ یہی ہے کہ اللہ رب العزت نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا، اس کی تائید تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول کے تحت قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے بھی ہوتی ہے۔

ثانی الذکر آیت میں پہلے یہود و نصاریٰ کے 'اتباع الظن' کی تردید کی گئی ہے اور یہ تردید 'بل' کہہ کر کی گئی ہے، ﴿وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا. بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ﴾ کا ترجمہ اگر یہ کیا جائے کہ: "اور انہیں ہرگز قتل نہیں کیا گیا بلکہ اللہ نے اپنی طرف ان کا درجہ بلند کیا ہے۔" تو 'بل' کا فائدہ ختم ہو جائے گا اور معنوں میں ایک بے ربطی پیدا ہوگی، آخر قرآن واضح لفظوں میں کیوں نہیں کہتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا؟ قرآن نورمبین ہے، محکم اور قول فیصل ہے۔ پھر آخر یہ ابہام کیوں؟

اس کے برعکس ﴿وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا. بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ﴾ کا ترجمہ: "اور انہیں ہرگز قتل نہیں کیا گیا بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا۔" عین مناسب اور دیگر صحائف مذہبی کے مطابق ہے۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں:

”یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ بل رفعہ اللہ الیہ کی ضمیر اس طرف راجع ہے کہ جس طرف قتل وہ اور صلیبہ کی ضمیریں راجع ہیں اور ظاہر ہے کہ قتل وہ اور صلیبہ کی ضمیریں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم مبارک اور جسدِ مطہر کی طرف راجع ہیں۔ روح بلا جسم کی طرف راجع نہیں۔ اس لیے کہ قتل کرنا اور صلیب پر چڑھانا جسم ہی کا ممکن ہے۔ روح کا قتل اور صلیب قطعاً ناممکن ہے۔ لہذا بل رفعہ کی ضمیر اسی جسم کی طرف راجع ہوگی جس جسم کی طرف قتل وہ اور صلیبہ کی ضمیریں راجع ہیں۔“ [حیات عیسیٰ علیہ السلام: ۳۵]

مکرمین نزول عیسیٰ علیہ السلام کو چاہیے کہ وہ 'بل رفعہ اللہ الیہ' کی صحیح تشریح فرمائیں وگرنہ اتباع حق کی پیروی اختیار کریں۔

تالیف الذکر آیت میں فرمایا گیا: "اور جو فرقہ ہے کتاب والوں میں سو اُس پر یقین لاویں گے اُس کی موت سے پہلے اور قیامت کے دن ہوگا اُن کا بتانے والا۔" (ترجمہ از شاہ عبدالقادر محدث دہلوی)



آخر الذکر آیت میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ذات کو علامات قیامت میں سے فرمایا گیا ہے، بعض ارباب علم کے نزدیک اس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن دنیا میں قدرت الہیہ سے معجزات کا صدور کچھ کم نہیں ہوا، معجزات کا صدور جب بھی ہوا ہے تو اس کی غرض و غایت اس کے سوا اور کیا تھی کہ مادہ پرست انسانوں کو ان کی عاجزی سے آگاہ کر دیا جائے اور جتلا دیا جائے کہ ایک ایسی ہستی ہے جو کارخانہ ہستی کو چلا رہی ہے۔ طوفان نوح (علیہ السلام) کیا ایک معجزہ عظیم نہ تھا؟ آتش نمرود میں سیدنا خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زندہ سلامت رہنا کیا ایک امر مستبعد نہ تھا؟ قوم لوط (علیہ السلام) پر غیر معمولی عذاب الہی کیا ایک غیر معمولی واقعہ نہ تھا؟ کیا سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا باذن الہی دریائے نیل کے شوریدہ پانیوں کو دھو حصوں میں تقسیم کرنا، اس کے درمیان سے اپنی قوم کو صحیح سلامت گزار لینا اور فرعون و آل فرعون کا اس دریا میں غرق ہو جانا، انسانی عقل کے لیے اس کے عجز کا اظہار نہ تھا؟ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ 'الساعة' کے معنی میں صرف سیدنا مسیح علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کو علامت قیامت قرار دیا جائے؟ آخر کیوں سیدنا مسیح علیہ السلام کی مکمل ذات اور بالخصوص ان کے نزول کو مراد نہ لیا جائے؟ کیا اللہ غالب عزیز و حکیم نہیں ہے؟ افلا يتدبرون۔

### نزول عیسیٰ علیہ السلام احادیث صحیحہ کی نظر میں :

قرآن کریم کے بعد احادیث صحیحہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ بکثرت احادیث میں 'امارات الساعة' کے بیان میں نزول مسیح ابن مریم علیہما السلام کی روایات موجود ہیں۔ عام طور پر منکرین نزول عیسیٰ علیہ السلام یہ دلیل و تلمیس دیتے ہیں کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام سے بابت احادیث کتب حدیث کے تیسرے درجے کی کتابوں میں مرقوم ہیں اور سب کی سب پائے ثقاہت سے گری ہوئی ہیں۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق احادیث تقریباً تمام معتبر کتب احادیث میں بکثرت مرقوم ہیں۔ ’صحیح بخاری‘ میں نزول عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق چار احادیث ہیں:

۱. باب قتل الخنزیر من کتاب البیوع

۲. باب کسر الصلیب من کتاب المظالم

۳. باب نزول عیسیٰ بن مریم علیہما السلام من کتاب احادیث الانبیاء میں دو حدیثیں ہیں۔

مگرین نزول عیسیٰ علیہ السلام کے ایک اہم پیشوا علامہ تمنا عمادی مجیبی پھلواروی ہیں، موصوف نے احادیث نزول عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق جو تنقید کی ہے اس میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

”کتاب بداء الخلق باب نزول عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ملاحظہ فرمائیے اور اس پر ایک نظر رہے کہ کتاب تو آغاز تخلیق سے متعلق مضامین کی ہے مگر اس میں ایک باب ایسا ہے جو خاتمہ تخلیق دنیا یعنی علامات قیامت سے متعلق کہا جاتا ہے۔“ [انتظار مہدی و مسیح: ۱۶۷، مطبوعہ الرحمان پبلشنگ فرسٹ کراچی]

موصوف سے یہ غلطی درحقیقت ’رواروی‘ کا نتیجہ ہے، اور پھر جب دل میں احادیث بخاری پر تنقید کی حسرت بھی ہو تو یہ سنہری موقع کیسے ضائع کیا جاسکتا تھا، امر واقعہ یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی ’الجامع الصحیح‘ میں کتاب بداء الخلق کے بعد کتاب الاحادیث الانبیاء کا عنوان قائم کیا ہے اور باب نزول عیسیٰ علیہ السلام مؤخر الذکر کتاب میں ہے، یہاں علامہ موصوف نے غور و فکر سے کام نہیں لیا.....

صحیح بخاری بلاشبہ لاکھوں کی تعداد میں منظر شہود پر ہے، شائقین اس کی طرف مراجعت فرما سکتے ہیں۔

صحیح مسلم میں کتاب الایمان اور کتاب الفتن و اشراط الساعة میں متعدد احادیث نزول مسیح علیہ السلام موجود ہیں۔

سنن أبی داؤد میں کتاب الملاحم کے مختلف ابواب میں احادیث نزول مسیح ابن مریم موجود ہیں۔

سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ کے کتاب الفتن میں بھی یہ احادیث موجود ہیں۔ امام محمد بن علی الشوکانی (م ۱۲۵۰ھ) نے اپنی کتاب التوضیح فی تواتر ماجاء فی الاحادیث فی المہدی والدجال والمسیح، میں نزول عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق ۱۲۹ احادیث بیان کی ہیں۔ فرماتے ہیں:

”ان الاحادیث الواردة فی المہدی المنتظر متواترة و الاحادیث الواردة فی الدجال متواترة و الاحادیث الواردة فی نزول عیسیٰ علیہ السلام متواترة.“ [التوضیح فی تواتر ماجاء فی الاحادیث فی المہدی والدجال والمسیح، بحوالہ عون المعبود شرح سنن أبی داؤد: ۲۰۵/۳] امام ابوالطیب شمس الحق عظیم آبادی (م ۱۳۲۹ھ) فرماتے ہیں:

”فلا يخفى على كل منصف ان نزول عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام الى الارض حکماً مقسطاً بذاته الشریفة ثابت بالأحادیث الصحیحة و السنة المطهرة و اتفاق اهل السنة و انه الآن حی فی السماء لم یمت بیقین و اما ثبوته من الكتاب فقال الله عز و جل رداً على اليهود المغضوب علیهم الزاعمین انهم قتلوا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ﴿و ما قتلوه یقیناً بل رفعه الله الیه﴾ ففی هذه الآية الکریمة اخبرنا الله تعالیٰ ان الذی اراد اليهود قتله و اخذه و هو عیسیٰ بجسمه العنصری لا غیر رفعه الله الیه

و لم یظفر و امنه بشیء كما وعده الله تعالى قبل رفعه بقوله ﴿و ما یضرونک من شیء﴾ و برفع جسده حیا فسرہ ابن عباس كما ثبت عنه باسناد صحیح . فثبت بهذا ان عیسیٰ علیہ السلام رفع حیا و یدل علی ما ذکرناه الأحادیث الصحیحة المتواترة المذكورة المصرحة بنزوله بذاته الشریفة التي لا تحتمل التأویل . و قال الله تعالى ﴿و ان من اهل الكتاب الا لیومنن به قبل موته﴾ ای قبل موت عیسیٰ علیہ السلام كما قال ابو هريرة و عبدالله بن عباس و غیرهما من الصحابة و السلف الصالحین و هو الظاهر كما فی تفسیر ابن کثیر فثبت ان عیسیٰ لم یمت بل یموت فی اخر الزمان و یومنن به کل اهل الكتاب و قد ذکر الله تعالى فی کتابه ان نزوله الی الارض من علامات الساعة قال الله تعالى ﴿وانه لعلم للساعة﴾ و قال الامام ابن کثیر فی تفسیره :

” ان الضمیر عائد الی عیسیٰ علیہ السلام فان السياق فی ذکره و ان المراد نزوله قبل يوم القيمة كما قال تعالى ﴿و ان من اهل الكتاب الا لیومنن به قبل موته﴾ ای قبل موت عیسیٰ علیہ السلام و یؤید هذا المعنی القراءة ﴿وانه لعلم للساعة﴾ یعنی بفتح العین و اللام ای اشارة و دلیل علی وقوع الساعة و قال مجاهد ﴿و انه لعلم للساعة﴾ ای اية للساعة خروج عیسیٰ بن مریم قبل يوم القيمة و هكذا روى عن أبی هريرة و

ابن عباس و ابی العالیة و ابی مالک و عکرمہ و  
الحسن و قتادہ و الضحاک و غیرہم و قد تواترت  
الاخبار عن رسول اللہ ﷺ انه اخبر بنزول عیسیٰ علیہ  
السلام قبل يوم القيمة اماما عادلا حکما مقسطا۔“ انتہی  
فہذہ الآیات الکریمہ و النصوص الصریحہ الثابۃ عن رسول  
اللہ ﷺ تدل دلالة واضحة علی نزول عیسیٰ بن مریم علیہ  
السلام من السماء الی الارض عند قرب الساعة۔ [عن المعبود۔  
شرح سنن أبی داود: ۲۰۵/۳]

”کسی منصف پر مخفی نہیں کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی ذات شریفہ کا  
بحیثیت حاکم مقرر نزول الی الارض احادیث صحیحہ اور سنت مطہرہ سے ثابت  
ہے۔ اور اسی پر اہل سنت کا اتفاق ہے۔ اور بے شک وہ اس وقت آسمان پر زندہ  
ہیں یقیناً انہیں موت نہیں آئی۔ اور جیسا کہ اس کے ثبوت میں اللہ عزوجل نے  
قرآن میں یہود (جن پر اللہ کا غضب ہوا) کے گمان کی کہ انہوں نے عیسیٰ ابن  
مریم علیہ السلام کو قتل کیا ہے، کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿و ما قتلوه یقیناً  
بل رفعہ اللہ الیہ﴾ [ترجمہ: اور یقیناً انہیں قتل نہیں کیا گیا بلکہ اللہ نے انہیں  
اپنی طرف اٹھالیا] پس اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی کہ بے شک  
جو ارادہ یہودیوں نے ان کے قتل کرنے کا اور انہیں پکڑنے کا کیا انہی عیسیٰ علیہ  
السلام کے سوا اللہ نے کسی دوسرے کے جسم غصری کو اپنی طرف نہیں اٹھایا۔  
اور یہودی کا یاب نہیں ہوئے اور عیسیٰ علیہ السلام کو ذرا تکلیف بھی نہ پہنچا س  
کے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے رفع سے قبل ان سے وعدہ فرمایا تھا:  
﴿و ما یضرونک من شیء﴾ [ترجمہ: اور وہ آپ کو ذرا سے بھی تکلیف

نہیں پہنچا سکتے] اور ان کے جسم کو زندہ اٹھالیا یہی تفسیر ابن عباس نے کی ہے جیسا کہ ان سے باسناد صحیح ثابت ہے۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ اٹھالیا گیا اور اسی پر ہماری ذکر کردہ احادیث صحیحہ متواترہ مذکورہ مصرحہ دلیل ہیں کہ ان کی ذات شریفہ کا نزول ہوگا جس میں کسی تاویل کا احتمال نہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿و ان من اهل الكتاب الا ليومنن به قبل موته﴾ [ترجمہ: اور یہ کہ اہل کتاب میں سے کوئی نہ ہوگا جو ان کی موت سے قبل ان پر ایمان نہ لے آئے]۔ اس میں عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے قبل کہا گیا ہے جیسا کہ ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن عباس اور ان دونوں کے علاوہ دیگر صحابہ اور سلف صالحین نے کہا ہے۔ اور ابن کثیر کی تفسیر سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت نہیں ہوئی ہے اور ان کی موت آخری زمانے میں ہوگی اور ان پر تمام اہل کتاب ایمان لے آئیں گے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان کے نزول الی الارض کو علامات قیامت میں شمار کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وانه لعلم للساعة﴾۔ امام ابن کثیر اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”بے شک اس میں ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف جاتی ہے۔ اس سیاق

میں ان کے ذکر سے مراد یہ ہے کہ ان کا نزول قیامت کے دن سے

قبل ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وانه لعلم للساعة﴾ اس

میں عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے قبل مراد ہے۔ اور انہی معنوں کی

تائید میں یہ قرأت ہے: ﴿وانه لعلم للساعة﴾ یعنی عین اور لام

پر زبر کے ساتھ، جس کا مطلب قیامت ہے اور وہ وقوع قیامت کی

دلیل ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں: ﴿وانه لعلم للساعة﴾ اس آیت میں

للساعة سے یوم قیامت سے قبل خروج عیسیٰ بن مریم مراد ہے۔ اور

ایسا ہی روایت کیا گیا ہے ابو ہریرہ، ابن عباس، ابو العالیہ، ابو مالک، عکرمہ، حسن، قتادہ، ضحاک وغیرہم سے۔ اور بلاشبہ تو اتر کے ساتھ رسول اللہ ﷺ یہ خبر منقول ہے کہ انہوں نے خبر دی کہ یوم قیامت سے قبل عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بحیثیت امام، عادل، حاکم، مقسط ہوگا۔“ انتہی

پس ان آیات کریمہ اور رسول اللہ ﷺ سے منقول نصوص صریحہ ثابتہ اس امر پر واضح دلیل ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا نزول آسمان سے زمین کی طرف قیامت کے قریب ہوگا۔“

### سنن ترمذی کی ایک اہم اسرائیلی روایت :

احادیث صحیحہ کی روشنی میں قرآن پاک کی تفسیر نہایت سہل ہو گئی ہے، اس کی تائید میں محرف زدہ اتاجیل بھی ہے اور گمشدہ توریت بھی۔ امام ترمذی نے اپنی ’الجامع‘ کے کتاب المناقب میں ایک موقوف اثر روایت کیا ہے۔ دھوھذا:

”حدثنا زید بن اخزم الطائی البصری حدثنا ابو قتیبة حدثنی ابو مودود المدنی حدثنا عثمان بن الضحاک عن محمد بن یوسف بن عبد اللہ بن سلام عن ابیہ عن جدہ قال : ”مکتوب فی السورۃ صفۃ محمد و صفۃ عیسیٰ ابن مریم یدفن معہ“ فقال ابو مودود و قد بقی فی البیت موضع قبر قال ابو عیسیٰ هذا حدیث حسن غریب ہکذا قال عثمان بن الضحاک بن عثمان المدنی“

یعنی: ”توریت میں نبی کریم ﷺ اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی صفت میں یہ لکھا

تھا کہ دونوں ایک ہی جگہ مدفون ہوں گے۔“

اس حدیث کے راویوں میں زید بن اخزم الطائی کونسا کی ودارقطنی نے ثقہ کہا ہے، ابن حبان انہیں مستقیم الحدیث کہتے ہیں۔

ابو قتیبہ مسلم بن قتیبہ کے لیے یحییٰ بن معین ’لیس بہ بأس‘ کہتے ہیں۔ ابو داؤد ودارقطنی انہیں ثقہ کہتے ہیں۔

ابو مودود المدنی کی ثقاہت پر امام احمد، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، ابو داؤد، ابن حبان وغیرہم متفق ہیں۔

عثمان بن الضحاک کو ابن حبان نے ثقہ کہا جبکہ ابو داؤد نے تضعیف کی۔

محمد بن یوسف مقبول راوی ہیں اور زمرہ تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے والد یوسف صفار صحابی ہیں اور ان کے دادا عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ معروف صحابی ہیں اور معلوم ہے کہ ”الصحابۃ کلہم العدول“۔

### منکرین نزول مسیح کے چند اعتراضات:

منکرین نزول عیسیٰ کی طرف سے ایک اہم اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی نزول ساعت موعودہ کا نظریہ درحقیقت عیسائیوں سے آیا ہے، جبکہ انہیں غور فرمانا چاہیے کہ اناجیل و دیگر کتب سابقہ میں کی متعدد تعلیمات اسلام میں بھی شامل ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی متعدد پیشینگوئیاں توریت و انجیل میں مرقوم ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ظن و تخمین کو اپنی دلیل بنانے کی بجائے علم صریح کی پیروی کریں۔

منکرین نزول عیسیٰ علیہ السلام کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں لہذا نزول عیسیٰ سے ان کی صفت خاتمیت پر زدا آتا ہے۔ لیکن یہ اعتراض بھی غیر دانشمندانہ ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ثانی بحیثیت نبی کے نہیں ہوگا، جبکہ نبی کریم



ﷺ کی 'شانِ خاتمیت' تو اس امر سے واضح ہے کہ: "و الذی نفس محمد بیدہ لو بدالکم موسیٰ فاتبعتموہ و ترکتمونی لضللتکم عن سواء السبیل و لو کان حیا و ادرك نبوتی لا تبعنی" [رواہ الدارمی فی کتاب المقدمة]

"و الذی نفس محمد بیدہ لو اصبح فیکم موسیٰ ثم اتبعتموہ و ترکتمونی لضللتکم انکم حظی من الامم و انا حضکم من النبین" [مسند احمد فی مسند الکوفیین]

جبکہ عیسیٰ علیہ السلام صاحبِ شریعت نبی بھی نہیں ہیں، ان کا دورِ اول 'شریعتِ موسیٰ' کی تبلیغ میں گزرا اور اب دورِ ثانی 'تجدیدِ شریعتِ محمدی' کے لیے وقف ہوگا۔ مولانا ابوالکلام آزاد مولانا ثناء اللہ امرتسری کے نام اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں (۱):

"بلاشبہ روایات میں نزولِ مسیح علیہ السلام کی خبر دی گئی ہے اور صحیحین کی روایات اس باب میں معلوم و مشہور ہیں۔ اس سے کسے انکار ہے لیکن اس معاملہ کا تعلق قیامت کے آثار و مقدمات سے ہے نہ کہ تکمیلِ دین کے معاملہ سے نیز انہی روایات میں تصریحات موجود ہیں کہ حضرت مسیح کا نزول بہ حیثیت رسول کے نہیں ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں اس تیرہ سو برس میں مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ یہی رہا ہے کہ دین ناقص نہیں اور اپنے تکمیل کے لیے کسی نئے ظہور کا محتاج نہیں۔" [تحریک آزادی: ۲۴۲]

(۱) الرحمان پبلشنگ ٹرسٹ کراچی کی جانب سے 'انتظارِ مہدی و مسیح' سے متعلق جو کتاب طبع ہوئی ہے، اس میں نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا گیا ہے، اس کے محترم مقدمہ نگار نے مولانا ابوالکلام آزاد کو بھی منکرینِ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام میں شمار کیا ہے، مولانا آزاد کے جس مکتوب کا اقتباس انہوں نے نقل فرمایا ہے اس مکتوب سے جو ابہام پیدا ہوتا تھا اس پر مولانا ثناء اللہ امرتسری نے مولانا آزاد سے استفسار کیا جس کے جواب میں مولانا آزاد کے قلم سے جو تصریحات نکلی ہیں وہ غالباً محترم مقدمہ نگار کی زیر نگاہ نہیں آئیں ورنہ شاید وہ مولانا آزاد کو منکرینِ نزولِ عیسیٰ میں شمار نہ فرماتے۔ والعم عبد اللہ۔

’صحیح بخاری‘ کی حدیث کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بحیثیت ’حکماً مقسطاً‘ ہوگا نہ کہ بحیثیت نبی۔

منکرین نزول عیسیٰ علیہ السلام کی جانب سے ایک دلچسپ انکشاف یہ بھی ہوتا ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام فطرت کے خلاف ہے اور ﴿لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ﴾ لیکن ان کے بارگاہ عقل و فکر میں اس عاجز کا عاجزانہ سوال یہ ہے کہ وہ رب تعالیٰ کی خلقت اور قدرت کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟ جو وہ یوں فیصلے صادر کریں؟ افلا يتدبرون۔

یہاں یہ ذکر بے محل نہیں مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سری نگر میں ہوئی تھی اور وہیں ان کی قبر بھی موجود ہے۔ اپنے اس دعویٰ کے اثبات میں اس نے ایک کتاب موسوم بہ ’مسیح ہندوستان میں‘ لکھی، یہ کتاب ہماری نظر سے نہیں گزری، اس نے یہ دعویٰ اپنی متعدد تحریروں میں کیا ہے۔ چنانچہ ’کشتی نوح‘ میں لکھتا ہے:

”مسیح فوت ہو چکا اور سری نگر محلہ خانیار میں اس کی قبر ہے۔“ [ص ۱۰۳]

اور اس قبر کی تائید میں اس نے ایک یہودی عالم کی تائید نقل کی ہے اور ’شہد شاہد من بنی اسرائیل‘۔ ایک اسرائیلی عالم تو ریت کی شہادت دربارہ ’قبر مسیح‘ کے عنوان کے تحت وہ تائیدی عبارت حسب ذیل ہے:

”میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے دیکھا ایک نقشہ پاس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور تحقیق وہ صحیح ہے قبر بنی اسرائیل کی قبروں میں سے، اور وہ ہے بنی اسرائیل کے اکابر کی قبروں میں سے اور میں نے دیکھا یہ نقشہ آج کے دن جب لکھی میں نے یہ شہادت ماہ انگریزی جون ۱۲، ۱۸۹۹ء۔ سلمان یوسف یسحاق تاجر۔“ [ص ۱۰۳]

قارئین گرامی غور فرمائیں دعویٰ سیدنا مسیح علیہ السلام کی قبر کا ہے اور دلیل بنی

اسرائیل کے اکابر کی ایک قبر سے دی جا رہی ہے۔ مرزا صاحب کے اس دعویٰ کی تردید میں مولانا عبدالحلیم شرر اور مولانا محمد ابراہیم میرسیالکوٹی نے قلمی کاوش کی ہے، جس سے مرزا صاحب کا ابطال ہو جاتا ہے۔

ہم یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی امت کو چھوڑ کر کشمیر کی وادیوں میں چلے جانا خود ان کے منصب نبوت کے بھی خلاف ہے، بقول خود: ”میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھینروں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔“ [متی ۱۵: ۲۴]

و قال الله تعالى في القرآن: ﴿وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ﴾ [آل عمران: ۴۹]

اب ذرا مرزا صاحب کی دریافت کردہ قبر کی حقیقت بھی سنتے چلیے۔ جناب بشیر احمد صاحب اپنی کتاب ”بہائیت اسرائیل کی خفیہ سیاسی تنظیم“ میں لکھتے ہیں:

”کشمیر کا مولوی عبداللہ وکیل جس کا ذکر مرزا صاحب کی کتاب راز حقیقت میں موجود ہے اور جس نے کشمیر میں قبر مسیح کے مفروضے کو تقویت دینے کے لیے شواہد اکٹھے کیے بہائی مبلغ بن گیا۔ مرزا قادیانی نے جب دعویٰ کیا کہ اس کو خدا نے وحی کی ہے کہ خانیارسری نگر میں حضرت عیسیٰ کی قبر موجود ہے تو اس کے جواب میں عبداللہ وکیل نے ایک کتابچہ شائع کرایا جس میں کہا گیا تھا کہ یہ صریح جھوٹ ہے اس جعلی نظریے کا خالق ہی وہ اور خلیفہ نور دین جمونی تھے۔“ [بہائیت اسرائیل کی خفیہ سیاسی تنظیم، ۲۲۴، مطبوعہ اسلامک اسٹڈی فورم راولپنڈی]

### نتیجہ دلائل:

سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے نزول سے متعلقہ دلائل سے عیاں ہوتا ہے کہ ان کا نزول بہ ساعت موعودہ حق ہے اور اس کا انکار محض وادی جہل و ضلالت میں سرگرداں ہونے کے مترادف ہے۔ انسانی ایمان کی خوبی یہ نہیں ہے کہ جو امور اس کی مزعومہ فکر و فہم

کے مطابق ہوا سے قبول کر لے اور جو امور اس کے نزدیک خلاف فطرت و امر مستبعد ہو اس کا انکار کر دے۔ بلکہ کمال ایمان تو یہ ہے کہ ہر وہ امر جو ’نصوص صریحہ‘ سے ثابت ہو اسے تسلیم کر لے، خواہ اس کی عقل تائید کرے یا نہ کرے کیونکہ ایمان تسلیم و تصدیق کا نام ہے آزمائش و پیمائش کا نہیں۔

### ایک ذاتی قاتر:

قرآن پاک کی تفسیر و تفہیم محض زورِ علمی سے ممکن نہیں، اس کے لیے کسی صاحبِ ذوق کا ہونا بہت ضروری ہے جس کا دل رب تعالیٰ کی خشیت سے لرزاں و ترساں ہو اور جس کی زندگی تقویٰ شعاری سے مزین ہو، گناہگار قلوب اس کے قطعاً مستحق نہیں ہو سکتے کہ وہ کلام الہی کی تفسیر میں اپنے زورِ فکر و فہم کو لگائیں۔ مجھے اپنے عجز کا مکمل اعتراف ہے، میری حیثیت تو اس قدر بھی نہیں کہ صاحبانِ زہد و تقویٰ کا خدمت گزار ہی بن سکوں۔ بایں ہمہ اس اعتراف ذاتی کے بعد ﴿إِنْ مَثَلٌ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ﴾ سے متعلق اپنے ایک ذاتی تاثر کو نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت میں رہائش دی پھر انہیں دنیا میں اتارا اس طرح انہوں ’توفی بالموت‘ سے قبل دو عالم دیکھے۔ یہی معاملہ حضرت عیسیٰ کا ہے ان کی ولادت دنیا میں ہوئی پھر ان کا رفع الی السماء ہوا اب ان کا دوبارہ نزول ہو گا تا کہ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ کا الہی حکم ان پر وارد ہو۔ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی ’توفی بالموت‘ سے قبل دو عالم ملاحظہ فرمائے۔ یہ بھی کیا دلچسپ اتفاق ہے کہ سیدنا آدم آغا تخلیق دنیا کا سرعنوان ہیں اور سیدنا مسیح علیہ السلام ’خاتمہ تخلیق دنیا‘ کی ایک علامت۔

هذا ما عندی والعلم عند اللہ.

## فکری

- ☆ مسلم امہ اور عہدِ جدید کے تقاضے
- ☆ اسلام اور تجدد پسندی
- ☆ انسانیت منزلِ شعور پر کب پہنچے گی؟
- ☆ جہاد فی سبیل اللہ
- ☆ حکمت کیا ہے؟
- ☆ اسلام فاتحِ عالم

www.KitaboSunnat.com

## مسلم امہ اور عہد جدید کے تقاضے

آج دنیا افراط و تفریط کی جس راہ پر گامزن ہو چکی ہے، اس نے افراد انسانی سے اس کا امن و سکون چھین لیا ہے اور کار انسانیت کو انتشار و افتراق کی ان ظلمتوں کی نذر کر دیا ہے کہ بظاہر اس سے نجات کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی۔ یہ صورت حال مسلم امہ کے لیے بھی ایک عظیم الشان چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ عالمی طاقتوں نے یہ تمام تر تلخیاں مسلمانوں ہی کے لیے بالخصوص وضع کی ہیں۔ آج مسلمان سیاسی، اقتصادی، علمی الغرض تمام شعبوں میں انتہائی مجبور حد تک ناکام و نامراد ہیں اور عالمی طاقتوں کی شیطانیت اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اس راہ میں اخلاقی قد ریں بھی مانع نہیں رہیں۔ یہ انسانی حقوق کے علمبرداروں کا کردار و عمل ہے اور اسی پر شیطان کو کہنا پڑا

باقی نہیں اب میری ضرورت تہہ افلاک

یہ میرا منصب نہیں کہ اپنی فکری کم مائیگی، قلت علمی اور محدود معلومات کا ادراک رکھتے ہوئے بھی ان مسائل پر اظہار فکر کروں لیکن میرے لیے ناممکن تھا کہ اپنے اضطراب قلب کا اظہار کیے بغیر رہ جاتا۔

جس طرح کتاب و سنت اور سیرت نبوی ﷺ سے تعلق اس دنیا کی سب سے بڑی سعادت ہے بعینہ اس سے بعد و دوری بھی دنیا کی سب سے بڑی شقاوت ہے۔ یہ وہ اجزائے تلاش ہیں جنہیں کسی صورت تقسیم نہیں کیا جاسکتا اور اگر کسی کی نگاہ وحدت نا آشناں کی بنیادوں میں بھی فرق و اختلاف تلاش کر لے تو ایسی کج نظری پر حسرت و افسوس ہی کیا جاسکتا ہے۔

علم بے شک کسب و سعی کے مراحل سے گزر کر حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن فہم

و معرفت صرف عطیہ الہی کا ثمرہ ہے۔ آج ضرورت اسی دینی فہم کے اجاگر کرنے کی ہے جس کی کمی کی وجہ سے تشدد و انتشار جنم لیتا ہے۔ مسلمان سب کچھ کر سکتے ہیں لیکن صرف اس صورت میں کہ ان کی صفیں منظم و مربوط ہوں و گرنہ تمناؤں اور خواہشوں کے باب تو کھلے ہیں مگر حقیقتوں کا سامنا نہیں ہو سکے گا۔

اس وقت مسلم امہ کو بالخصوص سیاسی، اقتصادی اور علمی میادین میں اہم ترین اور انتہائی مشکل حالات کا سامنا ہے۔ ان مسائل کا مختصر تجزیہ درج ذیل ہے۔

### عہد جدید کے سیاسی تقاضے

خفیہ عالمی طاقتوں نے ایک طویل عرصے سے دنیا کو یہ باور کرایا ہے کہ مسلمان جنگی جنون میں مبتلا ہیں اور اپنے مقدس جہاد کے ذریعے دنیا کا امن و سکون تباہ کر دینا چاہتے ہیں۔ یہ وہ منفی پروپیگنڈہ ہے جو آج بھی جاری ہے۔ تقریباً ڈھائی دہائیاں قبل برطانیہ سے شائع ہونے والے یہودی مجلہ 'جیونش کرائیکل' (JEWISH CHRONICLE) میں 'الجہاد فی الاسلام' کے عنوان سے ایک مقالہ شائع ہوا تھا، اس میں مقالہ نگار نے لکھا تھا کہ

”عالم اسلام میں مختلف جماعتوں، تنظیموں اور تحریکوں کی طرف سے اسلام کے بنیادی اصولوں کی طرف رجوع کرنے اور ان پر سختی سے کاربند ہونے کی دعوت مسلسل دی جا رہی ہے۔ یہ تحریکیں اور جماعتیں کافی مضبوط ہو چکی ہیں اور مغرب کی سیاسی حکمت عملی ترتیب دینے والوں نے اگر ان جماعتوں کی اس دعوت کو ملحوظ رکھ کر اپنی اسٹریٹجی نہ بنائی تو یہ ان کی کوتاہ بینی کا بہت بڑا ثبوت

ہوگا۔“ [ہفت روزہ 'زندگی' لاہور ۱۶ مارچ ۱۹۷۹ء]

اسی طرح برطانیہ سے شائع ہونے والے ایک دوسرے مجلے 'سٹڈے ٹیلی



گراف میں 'اسلامی خطرے کا مقابلہ' کے عنوان سے ایک مقالہ شائع ہوا جس کے مقالہ نگار نے انتہائی گمراہ کن پروپیگنڈہ کرتے ہوئے لکھا کہ

”ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عرصے تک عرب اور مسلمان ملک دنیا پر قابض ہو جائیں گے، بغیر اس کے کہ وہ اپنے ہاں دور جدید کے نئے ترقی یافتہ ادارے قائم کریں۔ بعض عرب ملکوں کے عوام میں تجدید الاسلام کا عمل بھی جاری ہے، یہ ایک نیا خطرہ ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ اس خطرے کے سد باب کے لیے مناسب وسائل اختیار کریں ممکن ہے کہ اس غرض کے لیے عسکری قوت سے بھی کام لینا پڑے، کیونکہ اسلام تجدید جہاد کی دعوت دیتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کو ختم کر دیا جائے۔“ [حوالہ مذکور]

چنانچہ 'خفیہ عالمی طاقتیں' مسلمانوں کو 'نیست و نابود' کرنے کے 'مقدس مشن' کی تکمیل میں مصروف ہو گئیں۔ 'سی، آئی، اے' کی خفیہ سروس کے سربراہ رچرڈ بی چل نے بظاہر 'الاخوان المسلمون' کے خاتمے کی تجاویز پیش کیں لیکن حقیقت میں یہ حربہ ہر خطہ اسلامی میں آزمایا گیا۔ موصوف کی تجاویز ملاحظہ ہوں:

۱۔ مکمل خاتمے کی بجائے جزوی خاتمے پر اکتفا کیا جائے۔ صرف ان راہنما شخصیتوں کا خاتمہ کیا جائے جو دوسرے ذرائع سے جن کا ذکر ہم آگے کرنے والے ہیں، قابو میں نہ آئیں۔ ہم اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ ان شخصیتوں کا خاتمہ ایسے طریقوں سے کیا جائے جو بالکل طبعی اور فطری معلوم ہوں۔

۲۔ جن شخصیتوں سے چھکارا حاصل کرنے کا فیصلہ کیا جائے۔ ان کے سلسلے میں ہم مندرجہ ذیل اقدامات کی سفارش کرتے ہیں۔

۱۔ جن لوگوں کو بڑے بڑے مناصب دے کر ورغلا یا جاسکتا ہے ان کو بے ضرر قسم کے بڑے بڑے اسلامی منصوبوں میں منصب دیئے

جائیں تاکہ ان کی قوتیں یہی منصوبے نچوڑ لیں۔ اس کے ساتھ ہی ان پر اور ان کے اہل و عیال پر مادی سہولتوں کی بارش کر دی جائے، تاکہ وہ ان میں پوری طرح منہمک ہو جائیں۔ ان کی قوتیں وہیں صرف ہو جائیں اور عوام سے ان کا رابطہ کاٹ کر ان کی بنیاد ختم کر دی جائے۔

ب۔ جن کے کاروباری رجحانات ہوں، ان پر کام کر کے انہیں کاروباری منصوبوں میں حصہ دار بنانے کی کوشش کی جائے۔

ج۔ پٹرول پیدا کرنے والے عرب ملکوں میں ان کے لیے کام کے مواقع پیدا کیے جائیں اس طرح وہ اسلامی سرگرمیوں سے دور ہو جائیں گے۔

د۔ یورپ اور امریکا میں جو عناصر فعال ہیں ان کے بارے میں ہماری تجاویز حسب ذیل ہیں:

(۱) ان کی قوتوں اور کوششوں کو غیر مسلموں پر صرف کروایا جائے۔

پھر اپنے اداروں کے ذریعے ان کاوشوں کو لا حاصل بنادیا جائے۔

(۲) ان کی کوششوں کو اسلامی کتابیں چھاپنے اور شائع کرنے میں

کھپادیا جائے اور ساتھ ہی ان کے نتائج کو ناکام کر دیا جائے۔

(۳) ان کی قیادتوں میں آپس میں شکوک و شبہات پیدا کیے جائیں۔

ان میں اختلاف کے بیج بو کر ان کو نمایاں کیا جائے تاکہ نتیجہ خیز

سرگرمیوں کی بجائے ان اختلافات میں اپنی قوتیں جھونک دیں۔

۳۔ نوجوانوں کے بارے میں ہم تجویز کرتے ہیں کہ

۱۔ ان کی قوتوں کو مذہبی رسوم و عبادات میں کھپادیا جائے۔ اس سلسلے

میں وہ مذہبی قیادتیں مفید ثابت ہو سکتی ہیں جو صرف عبادات پر زور دیتی ہیں اور جو سیاست سے تعرض نہیں کرتیں۔

ب۔ مذہبی و فردی اختلافات کی خلیج کو وسیع کیا جائے اور نوجوانوں کے ذہنوں میں ان کو نمایاں کیا جائے۔

ج۔ سنت پر حملوں کی حوصلہ افزائی کی جائے اور سنت اور دوسرے اسلامی مآخذ کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کیے جائیں۔

۴۔ مختلف اسلامی جماعتوں میں پھوٹ ڈالی جائے اور ان جماعتوں کے اندر اور مابین تنازعات کھڑے کیے جائیں۔

۵۔ نوجوانوں کی توجہ اسلامی تعلیمات کی طرف بڑھ رہی ہے۔ یہ ایک رو ہے جس کا مقابلہ ضروری ہے۔ خاص طور پر لڑکیاں اسلامی لباس کا التزام کر رہی ہیں، اس کا مقابلہ ذرائع نشر و اشاعت اور جوابی ثقافتی سرگرمیوں کے ذریعے ضروری ہے۔

۶۔ مختلف مراحل میں تعلیمی سرگرمیوں کے ذریعے اسلامی جماعتوں کی کاوشوں کو بے اثر بنایا جائے اور ان کا دائرہ محدود کرنے کی کوشش کی جائے۔ [حوالہ مذکور]

موصوف کی تجاویز تقریباً ربع صدی قبل کی ہیں جس کے نتیجے میں آج مسلمان استعماریت کے ہاتھوں کھلوتا بن گئے ہیں۔ فیاسفا علیٰ هذا۔

اس وقت تمام اسلامی دنیا شدید ترین سیاسی بحران کا شکار ہے۔ اسلامی ممالک میں اتحاد و یگانگت کا فقدان ہے۔ فلسطین، کشمیر، چوچینا، عراق، کوسوو وغیرہ بلاد اسلامیہ میں مسلمانوں کو بدترین مظالم کا سامنا ہے تمام اسلامی ممالک اس صورت حال کو ملاحظہ کرنے کے باوجود بے بس ہیں اس لیے کہ جرأت ایمانی و قوت روحانی سے محروم ہیں۔ اس سیاسی بحران سے نکلنے کے لیے درج ذیل تدابیر پر عمل ناگزیر ہے۔

۱۔ تمام اسلامی ممالک ایوان کفر میں سرنگوں ہونے کی بجائے آپس میں اتحاد و محبت کی فضا پیدا کریں۔

۲۔ او، آئی، سی (O.I.C) کو واقعتاً متحرک و فعال بنایا جائے۔

۳۔ اپنے اندرونی معاملات میں استعماریت کی ذیل اندازی کو سختی سے روکا جائے۔

۴۔ اپنی دفاعی صلاحیتوں کا مضبوط بنایا جائے۔

### عہد جدید کے اقتصادی تقاضے

اس وقت ملٹی نیشنل کمپنیوں نے دنیا کو بالعموم اور اسلامی دنیا کو بالخصوص اقتصادی طور پر اپنا پر غمال بنا رکھا ہے۔ آج کی مادی دنیا نے انسان کی مادی خواہشوں کو بے لگام کر دیا ہے کہ ہر شخص اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے ہر حد تک جانے کے لیے تیار ہو گیا ہے۔ سلسلہ مال و دولت کا ارتکاز محض ایک مخصوص طبقے تک محدود ہو کر رہ گیا ہے جس نے معاشرے میں بے چینی و اضطراب کو جنم دیا اور یہی بے چینی و اضطراب ہے جس کی کوکھ سے جرائم جنم لیتے ہیں گویا اقتصادی بحران کا دائرہ اثر و نفوذ پورے معاشرے کو اپنے احاطے میں لیے ہوئے ہے و اسلامی دنیا میں ان ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ذریعے یہ اقتصادی بحران بڑے غیر محسوس طریقے سے اثر انداز ہوا حتیٰ کہ حکومتیں بھی ان کے سامنے بے بس ہو گئیں۔ انگریزوں نے قارہ ہند کو اقتصادیات ہی کی راہ سے اپنا پر غمال بنایا تھا اور آج پھر اسلامی دنیا اسی راہ سے مغلوب ہو رہی ہے۔ یہ ملٹی نیشنل کمپنیاں نہ صرف ہماری اقتصادی جڑوں پر ضرب کاری لگا رہی ہیں بلکہ اپنی مصنوعات و مشروبات میں حرام اجزاء کو شامل کر کے مسلمانوں کے ایمان پر بھی نقب زن ہو رہی ہیں۔ یہ ملٹی نیشنل کمپنیاں اپنی آمدنی کا ایک معتد بہ حصہ اسرائیل کے تحفظات کے لیے وقف کر دیتی ہیں، گویا مسلمان ان کمپنیوں کی مصنوعات خرید کر خود اپنی تباہی و ہلاکت کا سامان تیار کر رہے ہیں۔

اقتصادی طور پر اس بحران سے نکلنے کے لیے ناگزیر ہے کہ

۱- اسلامی حکومتیں ملک کے اندر ہونے والی صنعتی ترقی کی حوصلہ افزائی کریں۔

۲- ان تمام مصنوعات و سامان اکل و شرب پر سرکاری سطح پر پابندی عائد کی جائے، جس میں حرام اجزاء کی آمیزش ہو۔

۳- مسلمان خریدار سب سے پہلے اسلامی اداروں کی تیار کردہ مصنوعات کو فاقیت دیں اس کے بعد ان اداروں کی مصنوعات خریدیں جن کی آمدنی اسلام دشمنی میں صرف نہ ہو رہی ہو جیسے چین، کوریا وغیرہما کی مصنوعات۔

### عہد جدید کے علمی تقاضے

اس وقت مسلم امہ کو علمی میادین میں بہت بڑا چیلنج درپیش ہے۔ ایک طرف قدامت پسند علماء ہیں جو اصابت فکر و صلابت رائے سے محروم رسومات ہی کو دین سمجھ بیٹھے ہیں۔ سلف نے جو کچھ اپنے اجتہاد و قیاس سے کہہ دیا ہے اسے دین کے اصل سرچشمہ مصفا پر فاقیت دیتے ہیں۔ دوسری طرف تجدید پسند علماء کی کھیپ تیار ہو رہی ہے جو دین کے ہر معاملے میں اپنے عقل ناقص کی پیوند کاری ضروری سمجھتے ہیں۔

علمی طور پر جو سرمایہ اس وقت جمع ہو رہا ہے اس میں اسلامی فکر کے احیاء کی غذا مفقود ہے۔ فروعات پر کتابوں کے انبار لگ رہے ہیں، ہر روز نئی سنتیں ایجاد ہو رہی ہیں، جب امام مہدی کا انتظار ہی دنیا کی سب سے بڑی فضیلت بن چکا ہو تو عمل کی گنجائش کس طرح نکل سکتی ہے؟

ہمارے پاس قرآن موجود ہے جس نے چودہ صدیاں قبل یہ دعویٰ کیا تھا کہ ﴿الا بذکر اللہ تطمئن القلوب﴾ لیکن افسوس کہ ہم اپنے دل شکستہ کی تسکین کے لیے آلات لہو و لعب کے خوگر بنتے چلے گئے اور اب صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ

و کاس شربث علی لذة

و آخری تداویث منها بها

کتاب و سنت سے اعراض مسلمانوں کی ہیئت اجتماعی کا سب سے بڑا علمی سانحہ تھا۔ غیر مسلم اسکالرز کا علمی پریگنڈہ اپنے عروج پر پہنچ چکا ہے، جس نے عالمی رائے عامہ پر نہایت گمراہ کن اثر ڈالا ہے اس کے برعکس مسلم اسکالرز کی کثیر تعداد اپنی قلمی جولانیاں اندرونی اختلافات کی نذر کرتی رہیں۔ بیروت کی امریکن یونیورسٹی کے ڈاکٹر کمال صلیبی (جن کا نسلی ربط یہودیوں سے بھی ہے) نے یہ انکشاف جدید کیا کہ یہودیوں کا اصل وطن فلسطین نہیں بلکہ منطقہ عہد سعودی عرب ہے۔ ایک دوسرے یہودی مستشرق پروفیسر برنارڈ ڈیوس نے "The Jews of Islam" میں اسلام کے نمود کو مسیحی علم الاساطیر اور یہودی خرافات سے منسلک کرنے کی کوشش کی۔ ریسرچ کے جدید اسالیب کو استعمال کرتے ہوئے موصوف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام نے علمی و فکری غذا یہودیت سے حاصل کی ہے۔ اس کے علاوہ مغرب کا بیشتر تحریری اثاثہ اسی قسم کی زہر آلود مسموم تحقیقات سے معمور ہے۔

لیکن مسلم اسکالرز نے اس کی تردید میں جو کچھ تحریری اثاثہ جمع کیا اسے خود مسلمانوں کی اکثریت نے لائق اعتنا نہیں سمجھا۔ جس کی وجہ سے ان کی آواز صد اب صحرانہ ہو کر رہ گئی۔ اب کچھ اجتماعی کوششیں کی جا رہی ہیں اللہ اس کے دائرہ اثر و نفوذ میں اضافہ فرمائے۔ (آمین)

علمی میادین میں مسلم اسکالرز اور ارباب اقتدار کو بالخصوص درج ذیل امور پیش نظر رکھنے چاہیے۔

۱۔ اسلامی ممالک کی تعلیمی پالیسی میں دین کو 'اچھوت' کی جو حیثیت دی گئی ہے اس کے صحیح مقام کو واضح اور نمایاں کرنے کی کوشش کی جائے۔

۲- تعلیم کے لیے کی گئی تمام اصلاحات اس وقت تک غیر مؤثر رہیں گی جب تک کہ میڈیا کو مشرف باسلام نہ کر لیا جائے، مجھے اس امر کا شدید احساس ہے کہ میڈیا کو کوئی معجزہ ہی 'مشرف باسلام' کر سکتا ہے۔ لیکن گزشتہ چند برسوں سے میڈیا جس 'آزادی' کے سفر پر گامزن ہے اس نے طہارت فکر و نظر اور نظافت روح و قلب کے تصور کو مجروح کر دیا ہے۔ بالخصوص 'اسلامی جمہوریہ پاکستان' کی میڈیا جس انداز سے 'بہشت کی بہاروں' اور 'ویلنٹائن ڈے' کی معصومیت' کا پرچار کرتی ہے، وہ انتہائی افسوس ناک ہے۔

۳- دینی ادارے ہوں یا انفرادی شخصیتیں ضرورت اس امر کی ہے کہ وسعت قلبی کے ساتھ دینی خدمت کے لیے مستعد ہوں، ایک دوسرے کو برداشت کرنے اور ہم آہنگی کی فضا پیدا کرنے کی سعی کی جائے۔

۴- مستشرقین کی وہ تحریریں جو اسلام کی حقانیت کا پرچار کرتی ہوں ان کی زیادہ سے زیادہ تشہیر کی جائے۔ مثلاً ڈاکٹر فریڈک ٹیلر نے اپنی کتاب "Physics of Imortality" میں جو اہم ترین سائنسی انکشافات کیے ہیں اس سے اسلامی عقیدے کا اثبات ہوتا ہے۔ اسی طرح عالمی شہرت یافتہ سائنسدان موریس بوکاٹے کی کتاب "The Bible The Quran and Science" بھی اس حوالے سے مفید کتاب ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس قسم کے علمی سرمائے کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے۔

۵- آج تک یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ قرآن مسلمانوں کی کتاب ہے لیکن یہ غلط ہے کیونکہ قرآن تو انسانوں کی کتاب ہے اور حاملین قرآن کا سب سے اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ انسانیت کو اس کی متاعِ گم گشتہ نبوتادیں۔

حضراتِ گرامی! دین کی خدمت ایک بہت بڑی سعادت ہے وگرنہ یہ تو ظاہر ہے

کہ اللہ کا دین میری، آپ کی یا کسی فرد انسانی کی خدمت کا محتاج نہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ اللہ کا دین بھی کبھی معدوم ہو جائے۔ آج ہم عمل کی دنیا میں ہیں اور احتساب کا وقت نہیں آیا۔ کل میدان احتساب میں ہوں گے اور عمل کا کوئی موقع نہ ہوگا، آئیے اس سے پہلے کہ وقت کی ساعتیں دغا دے جائیں ہم خلوص و انا بیت کے جذبے سے سرشار ہو کر جو کچھ ممکن ہو کر گزریں۔



## اسلام اور تجدّد پسندی

بنی نوع انسان کے قوائے ذہنی کے اصول بھی عجب ہیں وہ اپنے مرض کی مسیحا کرنے والے ڈاکٹر یا حکیم کے علاج میں دخل اندازی نہیں کرتا انسان اپنے لیے عالیشان و پر شکوہ عمارتیں بنانے والے انجینئر کے معاملے میں بھی خاموش ہے اور یہی حال اس کا دیگر طبقہ انسانی کے ساتھ ہے۔ مگر دین، یہاں زبانیں بے لگام ہیں، جو دل چاہا کہہ لیا، کوئی پرسش حال نہیں، کیا یہاں قوائے ذہنی کے اسی اصول کو دلیل بنایا جاسکتا ہے کہ یہ معاملہ محض علمائے دین تک محدود کر دیا جائے، یہ تو ممکن ہے کہ دین کی جزئیات میں عامہ ناس خاموشی اختیار کر لیں مگر یہ ناممکن ہے کہ اس کی اصل پر بھی اپنی زبانوں کو مہر بہ لب رکھیں، کیوں؟

اس لیے کہ دین ایک آفاقی ضرورت ہے، جس طرح کھانا، پینا اور پہننا ہر فرد انسانی کا یکساں مسئلہ ہے اسی طرح دین کی ضرورت اور اس کی طلب بھی ہر بشر ارضی کا لازمہ حیات ہے۔ پھر کس طرح ممکن ہے کہ ایک انسان اپنی ضرورت کا اظہار نہ کرے، طلب تو موجود ہو لیکن طالب نہ ہو اور جب طالب ہو تو کیسے ممکن ہے کہ مطلوب کی جستجو نہ ہو۔

دین پر کہنے کا حق ہر شخص کو حاصل ہے، مگر اصول و ضوابط کے تحت۔ وہ اصول و ضوابط کیا ہیں کہ جن کے معیار صداقت سے زبان کلمہ حق کی ترجمان بن سکتی ہے؟  
اخلاص کامل:

یہ اخلاص ہی ہے جو اگر قلب انسانی میں جاگزیں ہو جائے تو شر و نفسانی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

یہ اخلاص ہی ہے جو اگر لازماً روح انسانی بن جائے تو انسان کی صفات رذیلہ و بیکیمہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

یہ اخلاص ہی ہے جو اگر طبائع انسانی میں جاگزیں ہو جائے تو افکار میں نکھار اور مزاج میں اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔

یہ اخلاص ہی ہے جو اگر خاصہ فکر انسانی بن جائے تو فہم و معرفت کے باب خیر و اہر ہو جاتے ہیں۔

اخلاص کامل ہی وہ واحد معیار صداقت ہے کہ جو دین کے معاملے میں ہر طرح کے شکوک و شبہات اور ضلالت و گمراہی سے محفوظ و مامون رکھ سکتا ہے اس لیے بھی کہ

﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ وَسَوْفَ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا﴾

[النساء: ۱۳۶]

”مگر جنہوں نے (اپنے تمام گناہوں کی) توبہ کر لی اور (اپنی حیات رفتہ میں) اصلاح کر لی، اور اللہ (کے احکام و فرامین اور ہدایت و رہبری) کو مضبوط پکڑ لیا اور اپنا دین (ہر طرح کی خرافات سے الگ ہو کر صرف) اللہ کے لیے خالص کر لیا، پس وہی حاملین ایمان کے ساتھ ہوں گے، اور عنقریب اللہ انہیں اجر عظیم سے نوازے گا۔“

اور اس لیے بھی کہ شیطان لعین نے رحمان رحیم سے کہا ہے کہ

﴿فَبِعِزَّتِكَ لَا غَوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ﴾

[سورۃ ص: ۸۲-۸۳]

”پس تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو ضرور گمراہ کروں گا، مگر جو تیرے مخلص بندے ہیں (ان پر میرا کبر و فریب کچھ کارگر نہ ہوگا)۔“

مگر آج ۔

تاثیر ہی الٹی ہے اخلاص کے امرت کی

ہم جس کو پلاتے ہیں وہ زہر اگلتا ہے

کیونکہ آج 'اخلاص' کے نام پر جو 'بے اخلاصی' ہوتی ہے، اس پر خود اخلاص بھی شرمندہ ہے۔ دین کے نام پر وہ مجموعہ مخرقات ترتیب دیا جاتا ہے کہ جس کا دین سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔ اسلام کو Modernized کرنے کی خواہش میں ترقی جدید کی راہ کے راہی اس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ جہاں اپنے جذبات سفلی کی تسکین کے لیے اپنی ہر خواہش دین سے منسوب کر دی جاتی ہے۔ العیاذ باللہ اور اس پر بھی دعویٰ یہی ہے کہ ﴿انما نحن مصلحون﴾ مگر حقیقت کیا ہے؟ ﴿الا انهم هم المفسدون و لكن لا يشعرون﴾۔

ان سطور میں تجدد پسندوں کے شوق جدیدیت کے 'شہ پارے' پیش کرنا مقصود نہیں۔ مدعائے عرض صرف یہ ہے کہ دین حق صرف وہی ہے جو امام الہدیٰ والیقین محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا اور اس کے سوا جو کچھ بھی ہے مخرقات کا مجموعہ ہے، دین نہیں۔ ہر نوع فکر انسانی جو اسلام کے متبادل اپنا نظریہ رکھتی ہے افکار شیطانی کی کشید کردہ اور شاہراہ ضلالت و گمراہی کی ترغیب کنندہ ہے۔ عقل انسانی مجبور ہے کہ وہ وحی ربانی کی ضروریوں سے راہ نجات کا تعین کرے۔ لیکن جب عقل وحی کی عائد کردہ حدود و قیود سے بالاتر ہو جائے تو پھر اس کی شاعت و خباثت کی کوئی حد نہیں رہتی۔

انسان مادہ ظاہر اور روح لطیف کا مرکب ہے، جبکہ آج انسانی مدنیت نہ مادہ کے بارے میں اوج علمی کا دعویٰ کرتی ہے اور نہ روح کے اسرار ہی سے آگاہ ہے۔ پھر ایسے میں کس طرح ممکن ہے کہ انسانی دنیا کے تصورات و اعتقادات اور آئین و دساتیر کو ترتیب دیا جاسکے۔ کیا کسی ایک مسئلے میں بھی فلاسفہ عالم یک زبان ہو سکے ہیں۔ عقل ذہنی

کا اختلاف قدم قدم پر نمایاں ہے۔ ایک رائے کو چھوڑ کر دوسری رائے کو قبول کرنے کے آخر کیا اصول و پیمانے ہو سکتے ہیں؟

سید قطب شہید رحمہ اللہ علیہ ’المستقبل لهذا الدین‘ میں رقم طراز ہیں:

”ہم انسانی عقل کے بارے میں ایک بہت بڑے فریب کا شکار ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی عقل نے مادی دنیا میں بعض ایسی چیزیں پیدا کر دکھائی ہیں جو حیرت انگیز ہیں۔ ہم اس وہم میں پڑ گئے کہ جس عقل نے ہوائی جہاز اور راکٹ ایجاد کیے ہیں، ذرے کو توڑ کر ایٹم بم بنالیا ہے اور قوانین طبعی کی معرفت حاصل کر لی ہے۔ وہی عقل اس بات کے لیے موزوں تر ہے کہ ہم حیات انسانی کے نظام کو وضع کرنے کی ذمہ داری بھی اس کے سپرد کر دیں اور وہی تصورات و اعتقادات کے قواعد اور اخلاق و کردار کی بنیادیں وضع کرے، مگر ہم عقل کو یہ ذمہ داریاں سونپتے ہوئے اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ جب وہ مادی دنیا میں کام کرتی ہے تو ایک ایسی دنیا میں کام کرتی ہے جس کو جاننا اس کے لیے ممکن ہے کیونکہ وہ اس کے قوانین کو سمجھ سکتی ہے مگر جب وہ ’انسانی دنیا‘ میں کام کرتی ہے تو وہ زیادہ تر ظن و تخمین سے کام لیتی ہے کیونکہ وہ اس دنیا کی پیچیدہ حقیقتوں کے اور اک سے عاری ہے۔“ [اسلام کا روشن مستقبل ترجمہ ’المستقبل لهذا الدین‘

مترجمہ عبدالحمید صدیقی: ۱۱۶]

دین میں عقلیت کا اس قدر دخل کہ دین اپنی ’مزعومہ عقل‘ کے تابع فرمان ہو جائے یہ شوق نیا نہیں، بلکہ عہد گزشتہ میں بھی ایسے ’ذہین و فطین‘ افراد انسانی پیدا ہوتے رہے ہیں۔ جنہوں نے دین الہی میں اپنی عقل ناقص کی پیوند کاری کی کوششیں جاری رکھیں، مثلاً نمونہ از خردارے عہد گزشتہ کے ان عقل پرستوں کے شوق تجدد پسندی کی مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔ (

\* ابواسحاق ابراہیم بن سيار نظام معترلی (التوفی ۲۲۱/۳ھ) کا یہ عقیدہ تھا کہ: ”اللہ کو برائیوں پر قدرت نہیں ہے اس کی قدرت کے سلب ہو جانے کے بعد یہ واقعہ ہوتی ہیں آخرت میں اہل جنت دوزخ کے واسطے ثواب و عذاب میں کمی بیشی کر دینا اس کی قدرت میں نہیں۔“ [مذہب الاسلام از حکیم عبدالغنی رام پوری: ۱۷۱، مطبوعہ رضا پبلی کیشنز لاہور ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء]

\* ابو موسیٰ عیسیٰ بن صبیح المراد معترلی کے حال میں لکھا ہے:

”كان هذا المراد يزعم ان الناس قادرون على ان ياتوا بمثل

هذا القرآن وبما هو أفصح منه كما قاله النظام.“ [الفرق بين الفرق

للامام عبدالقاهر بن طاهر البغدادی: ۱۶۵، مکتبہ دار التراث قاہرہ]

یعنی: ”اس المراد کا گمان تھا کہ بے شک لوگ اس پر قدرت رکھتے ہیں کہ

وہ اس قرآن جیسی کتاب بنالیں بلکہ اس سے بھی بہتر جیسا کہ نظام کہتا تھا۔“

\* احمد بن حابط معترلی کا اعتقاد تھا کہ: ”چوپایوں اور پرندوں اور حشرات میں یہاں تک کہ مچھر اور پسواور کبھی میں بھی انبیاء ہوتے ہیں۔“ [مذہب الاسلام: ۱۲۳]

اس کا استدلال ان دو آیات سے تھا۔

﴿وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ﴾ [فاطر: ۲۳]

﴿وَمِمَّنْ دَابَّةٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٌ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ

أَمْثَلُكُمْ﴾ [الانعام: ۳۸]

\* فرقہ باطنیہ کی شاخ مہدویہ کا عقیدہ یہ تھا کہ ایک مرد کو اٹھارہ عورتوں کے ساتھ شادی کر لینا جائز ہے اور تمسک اس آیت کے ساتھ کرتے تھے۔

﴿فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَنًى وَتِلْكَ وَرُبُعٌ﴾

”نکاح کرو جو خوش لگے تم کو عورتوں سے دودو اور تین تین اور چار چار۔“

”پس ان کے نزدیک سب اعداد کا مجموعہ یعنی اٹھارہ عورتوں کا ایک شخص

کے نکاح میں ہونا جائز ہے۔“ [مذہب الاسلام: ۲۳۷]

\* فرقہ باطنیہ کا ایک امام عبید اللہ بن حسین القیروانی ملقب بہ مہدی (م ۳۲۲ھ) ہے۔ اس کی تحریر کا ایک اقتباس اپنے قارئین سے انتہائی معذرت کے ساتھ نقل کر رہا ہوں۔

”وما العجب من شیء کالعجب من رجل يدعی العقل ثم یکون له اخت أو بنت حسناء و لیست له زوجة فی حسنھا فیحرمھا علی نفسه و ینکحھا من اجنبی‘ ولو عقل الجاهل لعلم انه احق باخته و بنته من الاجنبی‘ و ما وجه ذلک الا 8 صاحبهم حرّم علیهم الطبیات‘ و خوفهم بغائب لا یعقل“۔ [الفرق

بین الفرق: ۲۹۷]

آخر عقل انسانی کے پاس اس شاعت و خباثت کا کیا جواب ہے۔

ان مثالوں کو پیش کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ جب عقل انسانی وحی ربانی کے حدود و قیود سے بالاتر ہو جاتی ہے تو اس کی شاعت و خباثت کی کوئی حد نہیں رہتی، جس طرح انسان کی تمدنی زندگی نے آداب و قرینے کے ارتقائی مراحل طے کیے ہیں، بعینہ اس کی صفات و ذیلہ نے بھی اوج کمال حاصل کیا ہے۔ اعتراض اس پر نہیں کہ عقل کا استعمال کیوں؟ اعتراض اس پر ہے کہ اسلام کے نام پر کیوں؟

راقم نے اپنی کتاب ’امت مسلمہ کا بنیادی مسئلہ‘ (غیر مطبوعہ) کے ایک مقام پر لکھا

ہے:

”دکل اور آج کا فرق یہ ہے کہ کل دین کے باغی دہریت پسندوں میں اس قدر اخلاقی جرأت تھی کہ وہ اپنی دہریت کا برملا اظہار کرتے تھے۔ لیکن آج، ترقی پسندی اور جدیدیت کے دعویدار سیکولر ازم، لبرل ازم اور دیگر باطل ازم کا سہارا لے کر دین پر لادینی افکار و نظریات کا نفوذ چاہتے ہیں۔ ان میں اتنی

اخلاقی جرأت نہیں ہے کہ کھل کر شرح 'آرزو' کر سکیں۔

دین اس راہ مستقیم کا نام ہے جو انسان کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر ایک معبود یگانہ کی بندگی کے دائرے میں داخل کرتا ہے اور پھر گوشہ ہائے انسانی کے ہر ہر مقام پر عبد اور معبود میں نسبت پیدا کرتا ہے۔ اسلام واحد دین الہی ہے۔ جو اس دین الہی کی اساس سے انحراف کرے وہ طاغوت کی بندگی کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ آج طاغوت کی صورتیں بدل گئی ہیں، مٹی کے خوشنما اور پتھروں کے تراشیدہ اصنام کی جگہ ہمارے فکر ناقص، ذہن سقیم اور عقل کور کی فلاسفی نے لے لی ہے۔ اب افکار و خیالات کی پرستش کی جاتی ہے، اب 'وطنیت' کے صنم کدے میں جبین نیاز جھکائی جاتی ہے، اب شخصیات کے زریں اصولوں کی پیروی کی جاتی ہے، اسلام کو کل کے طاغوت سے کوئی خطرہ لاحق تھا اور نہ آج کے طاغوت سے کوئی خطرہ لاحق ہے، دنیا کی بقا کے لئے جس قدر حق کا وجود ضروری ہے، اسی قدر باطل بھی ناگزیر ہے، دونوں میں سے کسی ایک کا خاتمہ ہی وقت موعود کی آمد کا باعث ہوگا۔ اصل اعتراض اور وجہ نزاع صرف یہ ہے کہ یہ لادینیت دین کے نام پر کیوں؟

\* آپ سیکولرازم کے دلدادہ ہیں، آپ کو اپنی پسندیدگی مبارک، لیکن آپ کو یہ حق ہرگز حاصل نہیں کہ آپ اپنے سیکولر افکار کی تشریح قرآن سے کریں اور اس کے لئے قرآن میں معنوی تحریف کا ارتکاب کریں۔

\* آپ روشن خیالی اور جدیدیت کی راہ کے راہی ہیں، آپ کو اپنی یہ راہ مبارک، لیکن آپ کو یہ حق ہرگز حاصل نہیں کہ آپ اپنی مزعومہ جدیدیت کے لیے اسلام سے کوئی وجہ جواز بردستی تراش لیں۔

\* آپ وطنیت کے صنم کدے کے مجاور ہیں، آپ کو اپنی یہ مجاوری مبارک،

لیکن آپ کو یہ حق ہرگز حاصل نہیں کہ آپ اپنی وطن پرستی کے شواہد قرآن سے پیش کریں۔

الغرض طاغوت کی پرستش کی راہیں واضح ہیں۔ لیکن یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ طاغوت کی پرستش کو معبود کی پرستش سمجھ لیا جائے اور یہ 'مجتہد دین و متشککین' جو بڑی فراخ دلی سے اپنا اپنا اسلام پیش کر رہے ہیں، ان کے ان مخ شدہ اسلام کو اٹھا کر دریا برد کر دو، اسلام صرف وہی ہے جو محمد عربی ﷺ پر نازل ہوا۔ اس کے سوا جو کچھ بھی مزخرفات کا مجموعہ ہے۔' [امت مسلمہ کا بنیادی مسئلہ]

آج ایسے 'فضلائے عصر' کی کمی نہیں جو.....

✽ سود کو جائز سمجھتے ہیں۔

✽ عورت کی سربراہی کے قائل ہیں۔

✽ شراب کو مختلف خیلے بہانوں سے جائز قرار دیتے ہیں۔

✽ غیر اسلامی تہذیب کو اختیار کر لینے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے۔

اور لطف تو یہ ہے کہ یہ سارے من چاہے جواز قرآن کریم ہی کے بحرِ خار سے حاصل کیے گئے ہیں۔

خود بدلتے نہیں قرآن بدل دیتے ہیں

ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

دین اسلام سے اس قسم کی 'چھیڑ چھاڑ' کا نتیجہ ہلاکتِ آفرینی و ضلالتِ یقینی کی صورت میں نکلنا ناگزیر ہے۔ دعایہ ہے کہ اللہ ہمیں ترغیباتِ شیطانی، لذاتِ نفسانی اور شرورِ انسانی سے محفوظ فرمائے۔ اللھم انت ولینا فاغفر لنا وارحمنا وانت خیر خیر الغافرین۔ واكتب لنا فی هذه الدنیا حسنة و فی الآخرة. اناھدنا الیک.



## انسانیت منزل شعور پر کب پہنچے گی ؟

آفرید کار عالم انسانیت کی تعلیم جب جب افراد نسل انسانی کے لیے نازل ہوئی تو وہ اس کے سوا کیا تھی کہ نیکی اور محبت کی تعلیم تھی، حسن و اخلاق سے مملو اور وفا و انسانیت سے معمور، للہیت کی یہی تعلیم ہے جو انسان کو حسن خلق سے آشنا اور ذہن و فکر کی قوت و دیعت کرتی ہے۔

از آفرینش تا حال انسان کی یہی کوشش رہی ہے کہ وہ اپنے راز ہائے دروں و سر بستہ سے آگاہ ہو سکے، وہ کون ہے؟ کس لیے اور کس کے لیے ہے؟

یہی سوالات ہیں جو انسانی مدنیت کے لیے عقدہ لایخل اور معمہ دقیق بن گئے۔ انسان نے جانا کہ اس کو تخلیق کرنے والا کوئی خالق، اس کو صورت و ہیئت عطا کرنے والا کوئی صانع، اس کے جسم و جاں کے تقاضوں کو پورا کرنے والا کوئی پالناہار ہے، جو لائق عبادت و پرستش ذات ہے۔ یہ کسی بیرونی تعلیم کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ خود اس کے اندر کی آواز تھی، جس کی گونج نے اس کے ذہن و فکر پر آتش سوزاں کے شرارے پھونک دیئے۔

اگرچہ مفسد طبع افراد انسانی جن کی زندگی آپ افسار کی طرح عقل و فکر سے بھی آزاد و محروم ہے، نے ان خیالات ہی سے اعراض کیا اور قابل پسند طبیعتیں اسی پر اکتفا کر کے خاموش ہو رہیں مگر مستعد طبیعتیں اس پر کس طرح قانع رہ سکتی تھیں۔

چنانچہ اس ذات واحد و یکتا کی تلاش شروع ہوئی۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں ڈھونڈا، نگاہوں کو ناکامی ہوئی۔ پہاڑوں اور سنگلاخ چٹانوں کے کوہ میں پناہ لی، مگر زخم دل کا علاج یہاں بھی عنقا تھا۔ شمس و قمر کی طرف نگاہ ڈالی، روشنی سے آنکھیں منحور ہو گئیں مگر

نتیجہ مفقود۔ بحمدِ انسانی کے مداوے کے لیے مجسمے و مورتیاں بنا کر انہیں لائق پرستش جانا، مگر ان کی بے چارگی نے احساس کو شرمندہ کر دیا۔ عبادت گاہوں میں سر نیاز کو جھکایا مگر سعی و جستجو کا یہ انتہائی مرحلہ بھی ناکام گیا۔

کیونکہ انسانی عقل و فکر کی ایک حد ہے، جس سے آگے وہ جا نہیں سکتا، یہ ساری کوشش و کاوش رائیگاں ہی رہتی اگر خود وہ ذات یگانہ اپنی معرفت کی راہ داکرنے کے لیے وحی آسانی کا راستہ اختیار نہ کرتی۔ یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ اگر وہ خالق و صانع ہے تو ہادی اور رہنما بھی ہے اور اس کی ہدایت و رحمت کا مقتضاء یہی تھا کہ وہ انسان پر اس کی برداشت سے بڑھ کر بوجھ نہ ڈالے۔ لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔

عقلاء نے فلسفہ و حکمت کا سہارا لیا اور انسانی عقل کی جو حدیں ہیں انہی میں گردش کرتے رہے اور جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو لحد و منکر ہو گئے۔

اہل دل جذبات کی شورشوں ہی میں الجھتے رہے اور قلبی تسکین کے لیے مختلف عنوانوں کے سہارے لے کر اپنے فکر و وجدان کی احیاء کے سامان کرتے رہے۔

مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے مقدس گروہ کے ذریعے جن تعلیمات سے عالم انسانیت آشنا ہوئی، اس میں دل و دماغ کو یکساں مقام حاصل ہے۔ یہاں تشکیک کی راہیں ہیں اور نہ افکار کی پراگندگی اور جس کا تتمہ عالم انسانیت کو ہدایت سے بہرہ ور کرنے والی کتاب مقدس 'قرآن عظیم' سے ہوا۔ ﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾

مگر اب یہ انسان سوچنے پر مجبور ہوا کہ کیا انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیم واقعی ربانی تعلیم ہے؟ اور کیا ان کے دعاوی درست و مبنی برحقائق ہیں؟ اس نے دیکھا وحی الہی کا دعویٰ کرنے والے یہ مقدس افراد پاکیزہ کردار کے حامل ہیں، ان کی سیرت بہترین سیرت اور ان کا طریق عمل بہترین طریق عمل ہے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ عالم ہستی

کے ان انتہائی امین اور انتہائی دیانت دار اشخاص نے جب ربط انسانی کے معاملات میں کبھی خیانت کا ارتکاب نہیں کیا تو کیا اللہ پر اتہام لگائیں گے۔ ان کی عقل و فکر ان قدسی انفس افراد کی سیرت پر معمولی دھبہ کی نشاندہی بھی نہیں کر سکی، ان کے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں جو ان پاکبازوں کو مکذوب و مجروح ثابت کر سکے۔

بایں ہمہ عقل انسانی کے پاس کوئی سند جواز نہیں کہ ان مقدس تعلیمات سے اعراض کر سکے اور پھر یہ تعلیم تو اس کے اپنے وجد و ایقان کی طلب ہے، وہ منزل شعور جہاں عالم انسانیت نے پہنچنا چاہا۔ مگر آہ، کب پہنچے گی یہ انسانیت منزل شعور پر؟ چودہ صدیاں بیت گئیں، جو اس کے ماننے والے ہیں انہوں نے اس کتاب عظیم کو جزا و نذران حریر دریشم میں لپیٹ کر کنارے رکھ دیا اور جنہوں نے چودہ صدی قبل انکار و سرکشی کی راہ اختیار کی تھی وہ آج تک جہل و اعراض کی سنتیں تازہ کر رہے ہیں۔

آہ، وہ دل کہ جس پر حسرتوں کے داغ ہیں اور آہ، وہ سینہ جو تمنائوں سے معمور ہے، اور آہ، ہم اور ہماری سوچیں..... کیا محور و مرکز رہا ہے ہمارے فکر و تدبیر اور کیا حاصل رہا ہے اس تک و دو جد و ایقان کا..... یہی تاکہ زندگی شاندار ہو جائے، قییش حیات کی ہر نعمت ہمیں میسر آ جائے، اور بس.....

اس مقام پر ایک لمحہ ہی رک کر غور کیجئے، وہ جو سب سے زیادہ حریص اور سب سے بڑھ کر طلب گار دنیا ہے، کتنا صابر و ضابط اور قانع نظر آتا ہے، گویا اس کی نظر میں وہ جو اصل مقام حیات ہے، اس کی تیاری کچھ وقعت نہیں رکھتی بلکہ اس نے یہ یقین کر لیا ہے کہ اس زندگی کے بعد پھر کوئی عالم حیات اسے پیش ہی نہیں آئے گا اور بار بار یہ عیش و کوش کہ عالم دوبارہ نیست کے مصداق، جو کچھ ہے یہی دنیا ہے۔ یہ طریق راہ عمل حیات ہے انکار پسند مفسد طبیعتوں کا۔

اور تساہل پسند طبیعتوں کی حالت اس کے سوا کیا ہے کہ ہدایت کی راہ ان پر وا

ہو گئی مگر صد حیف کہ ان کے قدم اٹھ نہ سکے۔

آج انسان نے زندگی کے خفیہ تر انوں کو پڑھنا شروع کر دیا ہے، پہاڑوں کو اپنا تابع اور زمین کو اپنی ملک بنا لیا ہے، سمندر کے سینے کو چیر کر اور صحرا کو صورت گلستان میں تبدیل کر کے اس نے اپنے تئیں بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ مرگ وزیت کے راز ہائے سربستہ سے واقف ہو کر اس نے اپنے اپنائے جنس کی نسلی کشود شروع کر دی ہے۔ مگر اس کے دل کی حالت تو بے آب گیاہ صحرا کی مانند ہے، جہاں ہریالی کا تصور ہی مفقود ہو۔ کاش کہ پہاڑوں کو اپنا تابع، زمین کو اپنی ملک، سمندر کے سینے کو چیرنے، صحرا کو گلستان میں تبدیل کرنے اور اپنے اپنائے جنس کی نسلی کشود کرنے والا یہ انسان، عظمت و کردار کی رفعتوں کو جان سکتا۔ کاش یہ انسان کوئی ایسی مشین بھی بنا سکتا جو نظر کو پاکیزہ، شعور کو اعلیٰ اور ول کو مقدس بنانے کی قدرت رکھتی۔ انسان اپنے گھر کی غلاظت کو تو کوڑے دان میں پھینک کر مطمئن ہو جاتا ہے لیکن اپنی فطرت کی گندگی سے کس طرح خلاصی پائے۔ آہ، اس انسان کا حال تو یہ ہے کہ خیال خیال آوارہ، نظر نظر میں مستی، ذہن ذہن شاطر، نفس نفس میں شہوت۔

مگر تمام تر انسانی سعادتوں اور خوش بختیوں کے حامل وہ پاکیزہ و مقدس افراد ہیں جنہوں نے اپنی جانیں اپنے رب واحد کو فروخت کر دی ہیں۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ [التوبة: 111]

اور جن خوش بخت افراد انسانی نے اپنے وجود کا معاملہ اللہ سے طے کر لیا، تو اب وہ محض لباس ہستی کو پہننے والا خاک ارضی سے کشید کردہ انسان نہیں رہا، وہ بظاہر وجودِ خاکی اور انسان ہے اپنے اپنائے جنس کے درمیان، مگر باطن اس کائنات ہستی کے بلند مرتبہ پر قازم اللہ رب العزت کا انتہائی مقرب بندہ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی آنکھیں یادِ الہی سے ہر لمحہ پرازنم رہتی ہیں۔ جن کی زبان اپنے معبودِ یگانہ کی تسبیح و تحمید میں مصروف اور اس کے

بندوں کے زخموں کا مداوا بنتی ہے، جن کے چہرے سے نور الہی ہویدا ہے، جن کا مقدس وجود اپنے رب کی خشیت سے لرزاں و ترساں رہتا ہے، جن کی نظر، نظر عبرت پذیر، جن کی نگاہ، نگاہ بصیرت افروز، جن کی فکر، فکر عمیق و بلند اور جن کا دل اللہ کا مسکن بن جاتا ہے۔

﴿وَالسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ﴾

وہ اللہ جو کائنات کی وسعتوں میں مل نہ سکا، دل کے نہاں خانوں میں مل گیا مگر یہ اسی وقت ممکن ہے جب ربانی تعلیمات کی ضروریوں سے اپنے اذہان و قلوب کو روشن کیا جائے وگرنہ حل مطلب مقفوء۔

## جہاد فی سبیل اللہ

نیرنگی زمانہ نے بہت سی اصطلاحات کو بدل کر رکھ دیا ہے، یہ المیہ ہے زمانے والوں کا اور مظلومیت ہے اس اصطلاح کی۔

آج وہ جو دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد ہے۔ ’معزز‘ و ’مکرم‘ بن گیا اور جو سچائی اور حقیقت کا علمبردار ہے اسے ’دنیا‘ دہشت گرد‘ کہتی ہے۔ ظاہر دار اور مادہ پرست دنیا، کھوکھلے کردار اور بے وزن لوگوں کی دنیا، جہاں عزتوں کے کوئی پیمانے نہیں، جہاں بلندی کہیں نہیں ملتی اور پستی کی کوئی حد نہیں۔ بہر حال

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾

مجھے معلوم ہے کہ ظاہر پرست دنیا کے ’ایوان بالا‘ میں ہم جیسے درویشوں کی آوازیں اور دل شوریدہ کی صدائیں نہیں پہنچا کر تیں، کاش بادِ صرصر کے یہ جھونکے میرے پیام رساں بن جائیں، بہر حال میرا خاتمہ اس سب سے بڑے ’معزز‘ و ’مکرم‘ سے مخاطب ہو کر یہ تو لکھ سکتا ہے۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا

عزیزانِ گرامی! مجھے نہ الفاظ کی جادوگری میں الجھنا ہے نہ الجھانا ہے، کھل کر کہنا چاہوں گا کہ جن مظلوم اصطلاحات کو زر پرست سگانِ دنیا نے ’افرادِ شاہی‘ کی نذر کرتے ہوئے تختہ مشق ستم بنایا ہے، انہیں میں سے ایک اصطلاح ’جہاد فی سبیل اللہ‘ کی ہے۔ جہاد جہد سے ہے اور لغت میں اس کے معنی سعی یا کوشش کے ہیں۔ مگر اصطلاح شریعت میں اللہ کی راہ میں سعی کرنے کو جہاد کہتے ہیں، شریعت میں جہاد کی کئی قسمیں ہیں،

ہمیں ان کئی قسموں کی تفصیل میں نہیں جانا صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ 'جہاد بالسیف' جو غالب معنوں میں جہاد کی اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا ہے، یہی وہ مظلوم اصطلاح ہے، جو آج ہر طرف سے طعن و تشنیع کی زد میں ہے۔

جہاد کیا ہے؟

① اعلائے کلمۃ الحق کو بلند کرنے کا نام جہاد ہے اور جب اس راہ میں موانع پیش آئیں تو ان سے شرعی تقاضوں کے مطابق ٹکرانے کا نام جہاد ہے۔

② مظلوم کی مدد کرنے کا نام جہاد ہے اور جب اس راہ میں ظالم سے سامنا ہو تو اسے شرعی تقاضوں کے مطابق سزا دینے کا نام جہاد ہے۔

③ ﴿لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ کے اصول کو سمجھتے ہوئے سطح ارضی پر قانون ربوبیت کو نافذ کرنے کا نام جہاد ہے۔

یہ بھی کیا اتفاق ہے کہ جہاد ایک اسلامی اصطلاح ہے اور جس طرح آج 'جہاد' کی اصطلاح مظلوم بھی ہے اور مطعون بھی، اسی طرح مسلمان اس سطح ارضی پر مظلوم بھی ہیں اور مطعون بھی۔ شاید خلیفہ اول سید البشر بعد الانبیاء صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے اولین خطبہ خلافت میں اسی نکتہ و رسوائی کی طرف لطیف اشارہ کیا ہے۔

”جو قوم اللہ کی راہ میں جہاد چھوڑ دیتی ہے، وہ ذلت و خواری میں مبتلا ہو جاتی ہے۔“

جہاد کی کچھ شرائط ہیں، کچھ حدود و ضوابط تاکہ اسے تمیز کر کے ہم جہاد کو دہشت گردی اور دہشت گردی کو جہاد نہ کہہ سکیں۔ بد قسمتی یہ ہے کہ اگر غیروں نے جہاد کی اصطلاح کو مطعون کیا تو کیا برا کیا، ان سے خیر کی توقع ہی کب تھی؟ المیہ تو یہ ہے کہ خود جہاد کے علمبرداروں نے جہاد کو مطعون کرنے کے لیے وجہ جواز پیش کی۔ آہ ہماری یہ قوم جو

شانِ صدیقیت سے محروم ہے مگر صدیق سے نسبت پر فخر کرتی ہے، شوکت فاروقی نہیں رکھتی مگر فاروق سے قربت کا اظہار ہے، شبیرؑ سے تعلق کا شور ہے مگر رسمِ شبیریؑ ادا کرنے کے لیے تیار نہیں۔

حکمِ شریعت یہ ہے کہ ایک امام کی سرکردگی میں جہاد فی سبیل اللہ کا عمل کیا جائے مگر یہاں ایک بنی محاذ پر کئی کئی امام موجود ہیں، پھر بیک وقت ان اماموں کے وجودِ مسعود کی موجودگی میں وہ ’روزِ سعید‘ کس طرح آسکتا ہے، جسے دیکھنے کے لیے آنکھیں بے قرار ہیں اور جس کے لیے دل چلتا ہے، ایسے میں اللہ ناصرؑ کیسے بن سکتا ہے۔

یہ جو کچھ بھی ہے ہماری صدیوں کی گمراہی کی معمولی سی سزا ہے اور ابھی تو اس سزا کی ابتداء ہے کیونکہ ابھی کئی ایسے باقی ہیں۔ بہتر ہے کہ ہم اپنے مردہ دل کی مردہ سرزمین میں ایمان و تقویٰ کا بیج بولیں۔ نزولِ مصائب کے وقت توبہ ضروری ہے اور درِ توبہ انا بیتِ پردہ تنگ دیئے بغیر سعی الی اللہ کی ہر ہر کوشش ناکام و نامراد ہوگی۔

گو آج دنیا خیر سے دور بہت دور ہو کر شر کا اظہار کر رہی ہے، افرادِ انسانی اس پستی میں اتر رہے ہیں جس کی کوئی حد نہیں۔ اللہ کے گھر کی پامالی کی جارہی ہے، مقدس صحیفوں کو پامال کیا جا رہا ہے اور انسانی وجود کو جن کے سینے کے اندر دھڑکنے والے دل میں اللہ رچا بسا ہے، اذیتیں دے دے کر فنا کا جام پینے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ گو ایسے میں قدرتِ الہیہ بھی اپنے سے غیظ و غضب کا اظہار کر رہی ہے، جہاز گرتے رہیں گے، زلزلے آتے رہیں گے، طوفان اٹھتے رہیں گے، لوگ مرتے رہیں گے۔

مگر آہ! مجھے ڈر ہے کہ جرم کی سنگینی کے مطابق ابھی تک غیض و غضب کا اظہار نہیں ہوا، اور آہ! یہ دنیا کہ عذابِ الہی کو دعوت دینے پر تلی ہے..... شاید کہ ان کی خواہش بھی جلد پوری ہونے والی ہے..... ایک ایسا عذاب جو ان کی عقلوں کو دنگ اور ان کی فکر کو مفلوج کر کے رکھ دے گا۔



مگر مسلمانو! تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، تم 'بنت' کی رت بہار کے مزے لوٹو، لذی جمالو کے گیت گاؤ، بھنگڑا ڈالو کہ اب تمہاری 'مردانگی' کے جوہر یہاں کھل رہے ہیں۔

یہ 'بنتی میلے' جو ایک شاتم رسول ﷺ کی یادگار ہیں، آہ! اے خطہ لاہور تیرے سارے فخر مٹ گئے، تیری سرزمین پر ناموس رسالت پر جان دینے والے غازی علم دین شہید رحمہ اللہ علیہ کا قرض تھا، جسے تو نے ایک شاتم رسول ﷺ کی یادگار سے اپنی فضاؤں کو معمور کر کے چکایا ہے۔

تمہیں علم بھی ہے کہ اسی گزشتہ رمضان المبارک (۱۴۲۲ھ) کی مبارک ساعتوں میں بھارت کے 'دی ہندو اخبار' نے ہمارے آقا و مولا ناسید الاولین والآخرین محمد رسول اللہ ﷺ اور افضل البشر بعد الانبیاء صدیق امت ابو بکر عتیق رضی اللہ عنہ کی شان اقدس میں گستاخی کا ارتکاب کیا۔ مگر تمہیں علم ہو بھی تو کیا اور نہ علم ہو تو بھی کیا؟

ان كنت تدري فتلک مصیبة

وان كنت لا تدري فالمصیبة اعظم

حرام ہے جو تم اپنے دن کا ایک لمحہ بھی اس فکر میں غلطاں کرو۔ تمہاری یہ بے عملی ہے جس نے اغیار کو دعوت دی ہے کہ وہ جہاد کی اصطلاح کو مطعون کریں۔ تمہارے یہ نام نہاد علامہ جو آیات ربانی میں تحریف کا ارتکاب کر کے بے وزن دلیلیں مہیا کرتے ہیں اور افسوس صد افسوس ایک ہی محاذ پر لڑنے والے یہ امیر عسا کر..... ﴿وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ مَسَلًا﴾ اور ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ پر اپنے شک و ریب کا اظہار کرنے سے پہلے اپنے ایمان کی حالت پر نگاہ ڈال لو۔ آہ، تمہارا نفس تمہیں خوش فہیوں میں مبتلا کر رہا ہے مگر حقائق اس کے برعکس ہیں۔

آج مسلمان مقہور و مغلوب ہیں مگر اسلام قاہر و غالب ہے، اسلام ہمیشہ قاہر

وغالب رہا ہے اور رہے گا اور اسلام سے نسبت رکھنے والے بھی قاہر وغالب رہیں گے۔ یہاں انشاء اللہ لکھنے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ یہ فطرت الہیہ کا اٹل فیصلہ ہے اور اس پر شک وریب کا خفیف سا اظہار بھی جائز نہیں۔ آج جو مسلمان مقہور و مغلوب ہیں وہ اپنی نسبتوں پر غور فرمائیں، ان کے پاس نسبتوں کے ہر رنگ ہیں، خطوں اور علاقائیت سے نسبت کا رنگ، ذات پات اور نسلی عصیت کی نسبتوں کا رنگ، زبان و ادب کی نسبت کا رنگ..... مگر آہ! نسبت الہی کی روشن کرنوں کا رنگ ہی مفقود ہے۔

گو آج تمام دنیائے کفر اسلام کے خلاف درآئی ہے، اللہ کے نام لیواؤں پر اللہ کی سر زمین تنگ کی جا رہی ہے، اسلام پر ہر ہر محاذ سے حملے کیے جا رہے ہیں، خود مسلمان اب اسلام سے عملاً دست کش ہو رہے ہیں، مگر ایسے میں میرے وجد و ایقان کی صدا ہے یہ، میرے روح و قلب کی ندا ہے یہ کہ اسلام تپتے ہوئے صحراؤں میں بھی زندہ رہے گا، تہذیب و تمدن کے گہواروں میں بھی زندہ رہے گا، علم و فکر کی دانشگاهوں میں بھی زندہ رہے گا، فلسفہ و عمرانیات کے نصابوں میں بھی زندہ رہے گا..... اسلام ہر حال میں زندہ رہے گا، اس کے مٹانے والے مٹ جائیں گے مگر..... اسلام زندہ رہے گا۔

## حکمت کیا ہے ؟

امام حدیث مسلم بن حجاج نیشاپوری سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی مروی حدیث قدسی 'صحیح مسلم' میں روایت کرتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”یا عبادی! لو انّ اولکم و اخرکم و انسکم و جنکم کانوا علی اتقی قلب رجل واحد منکم، ما زاد ذلک فی ملکي شیئاً. یا عبادی! لو انّ اولکم و اخرکم و انسکم و جنکم کانوا علی افجر قلب رجل واحد ما نقص ذلک من ملکي شیئاً. یا عبادی! لو انّ اولکم و اخرکم و انسکم و جنکم قاموا فی صعيد واحد فسالونی فاعطیت کل انسان مسئلته، ما نقص ذلک مما عندی الا کما ینقص المخیط اذا ادخل البحر“

”یا عبادی! انما ہی اعمالکم احصیها لکم ثم اوفیکم ایاها، فمن وجد خیراً فلیحمد الله، ومن وجد غیر ذلک فلا یلو من الا نفسه“

[صحیح مسلم، کتاب البرّ والصّله والادب، باب: تحریم الظلم]

”اے میرے بندو! اگر تمہارے وہ افراد جو پہلے گزر چکے ہیں اور وہ جو بعد کو پیدا ہوں گے اور تمام انس و جن، اس شخص کی طرح نیک ہو جاتے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے، تو یاد رکھو، اس سے میری جلالت (۱) شان میں کچھ بھی اضافہ نہ ہوتا، اے میرے بندو! اگر تمہارے وہ افراد جو پہلے گزر چکے ہیں اور جو بعد

(۱) 'ملکی' کا ترجمہ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے 'میری خداوندی' اور بعض نے 'میری بادشاہت' کیا ہے جب کہ ہم نے 'میری جلالت شان' کو ترجیح دی ہے۔ بایں ہمہ مقصود اصلی ایک ہی ہے۔

میں پیدا ہوں گے اور تمام انس و جن، اس شخص کی طرح فاجر ہو جاتے جو تم میں سب سے زیادہ بدکار ہے، تو اس سے میری جلالت شان میں کچھ بھی کمی نہ ہوتی۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے وہ افراد جو پہلے گزر چکے اور جو بعد میں پیدا ہوں گے اور تمام انس و جن، ایک مقام پر جمع ہو کر مجھ سے سوال کرتے اور میں ہر فرد کی خواہش پوری کر دیتا، تو میرے خزانہ رحمت و بخشش میں اس سے زیادہ کمی نہ ہوتی جتنی سوئی کے ناکے میں سمندر کے پانی کے نکل جانے سے ہو سکتی ہے۔

”اے میرے بندو! کچھ شک نہیں یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جنہیں میں تمہارے لیے جمع رکھتا ہوں اور پھر انہی کے نتائج کو بلا کم و بیش تمہیں واپس دے دیتا ہوں۔ پس جو کوئی تم میں سے اچھائی پائے، تو چاہیے کہ اللہ کی حمد و ثنا کرے اور جسے برائی آئے تو چاہیے کہ خود اپنے وجود کے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔“

علم و معرفت کے تاجدار حضرت شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیریؒ اپنے مکاتیب میں فرماتے ہیں:

”وہ خداوندعالیہ ایسا بے پرواہ ہے کہ اگر چاہے تو ہر روز ہزاروں، لاکھوں مقبول بندے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جیسے پیدا کر دے اور اگر وہ چاہے تو تمام مقبول بندوں کو ایک دم میں مردود کر دے اور تمام مردود بندوں کو مقبول کر دے کسی کی مجال نہیں کہ اس کی بارگاہ میں ذرا بھی چون و چرا کرے، اس کے سب بندوں میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بہت مقبول اور محبوب ہیں مگر قیامت کے دن وہ بھی عرش کے سامنے جا کر سجدہ میں گر پڑیں گے اور بڑی دیر تک سجدہ ہی میں رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اور کبریائی کی وہ ثناء اور صفت بیان کریں گے کہ جو انہیں اس وقت القا کی جائے گی۔ جب ان کو حکم ہوگا اے محمد ﷺ اپنا سراٹھائیے اور مانگیے ہم دیں گے اور

سفارش کو قبول کریں گے۔ سبحان اللہ وجلت قدرتہ، حضرت محمد ﷺ کے سوا دوسرے کسی بڑے سے بڑے پیغمبر کو اتنی بھی جرأت نہ ہوگی کہ اللہ جل جلالہ سے اس وقت کچھ عرض کر سکیں۔“ [قرآن مجید منتخب حواشی اور ثنائی ترجمہ والا: ۳۲۹ مطبوعہ ادارہ نور الایمان اجیری گیٹ دہلی]

وہ اللہ جو مستغنی عن الحاجات ہے، جس کی شان بے نیازی اظہار و بیان سے بالا، جس کی کبریائی فکر و فہم سے برتر اور جو حقیقت و عرفان کا مالک ہے، جو کائنات عالم میں کسی کا زیر بار نہیں مگر سب اس کے درپوزہ گر ہیں، جو کسی کے احکام کا پابند نہیں مگر سب اس کے زیر تصرف ہیں۔ ہاں وہی اللہ خود اپنی ذات پر مومنین کی مدد کو فرض قرار دیتا ہے ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرَ الْمُؤْمِنِينَ﴾۔

پاکیزہ ہیں وہ دل جو حب الہی سے معمور ہیں اور قیمتی ہیں وہ لمحات جو اس کی یاد میں گزریں۔

اللھم انی اسئلك حبك و حب من یحبك و العمل الذی یبلغنی حبك .

کائنات عالم کی اس سب سے بڑی حقیقت کے اظہار کے بعد حکمت و بصیرت کا تقاضا کیا ہے؟..... ایسے میں عقل یہی کہتی ہے:

بہر چہ ازدوست و امانی چہ کفر آن حرف و چہ ایمان

بہر چہ از یار دور افتی چہ زشت آں نقش و چہ زیبا

(سنائی)

یعنی: ”جس چیز سے محبت چھوٹ جائے وہ خواہ کفر ہو یا ایمان اور ہر وہ چیز جس سے محبوب سے دوری ہو خواہ وہ کتنی ہی حسین و دلکش ہو نامقبول ہے۔“

گو اس کا نتیجہ

گرچہ بدنامی است نزد عاقلان

یعنی: ”ظاہری عقل والوں کے نزدیک ہماری باتیں بدنامی کا باعث ہوتی ہیں۔“  
مگر محبت رسوائی سے ڈرتی ہی کب ہے؟

مانی خواہیم ننگ و نام را

یعنی: ”اب ہم عزت و شہرت کے بھوکے نہیں رہے اور ظاہری نیک نامی و بدنامی کی ہمیں پرواہ نہیں۔“

یہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا آتش نمرود میں کود جانا بصیرت ہے۔

یہ سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا فرعون عصر کے سامنے ڈٹ جانا بصیرت ہے۔

یہ امام کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کا ایوان کفر و ہنگامہ سرکشی کے خلاف اعلائے کلمۃ الحق بلند کرنا بصیرت ہے۔

یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فتنہ ارتداد و منکرین زکوٰۃ کے خلاف قدم اٹھانا بصیرت ہے۔

یہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا سلطنت قیصر دسرئی سے ٹکرا جانا بصیرت ہے۔

اور جب یہ بصیرت کسی دل میں جاگزیں ہو تو اس دل کی خوشنمائی اور اس روح کی شادمانیوں کا کیا ٹھکانہ۔

کیا غم ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف

کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے

بصیرت کیا ہے؟

☆ دل کا دامن اللہ کی جانب متوجہ رہنا بصیرت ہے۔

☆ اللہ ذوالجلال والاکرام کی خاطر آسائش دنیا سے کنارہ کرنا بصیرت ہے۔

☆ ﴿لَتَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا﴾ کی خاطر لحات حیات کو صرف کرنا بصیرت ہے۔  
 ☆ اللہ رب العزت کے دشمنوں کے سامنے ڈٹ جانا بصیرت ہے۔ بصیرت اس کو کہتے ہیں  
 اور حکمت اس میں پوشیدہ ہے۔

ان مختصری معروضات کے بعد عرض یہ کرنا ہے کہ اس وقت امت مسلمہ جس  
 دورا ہے پر کھڑی ہے، حکمت و بصیرت کا کیا تقاضا ہے؟ ایک طرف ربانی وعدے ہیں  
 دوسری طرف ائمہ کفر کے بہلاوے۔ افلا یتدبرون۔

جب کہ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم حب رسول اللہ ﷺ کا دعویٰ کرتے نہیں تھکتے۔

مگر گستاخی معاف! www.KitaboSunnat.com

تعصى الرسول وانت تظهر حبه

هذا لعمري فى الفعال بدیع

لو كان حبك صادقا لا طعنه

ان المحب لمن يحب مطيع

یعنی: ”تو رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے مگر ان سے محبت کا اظہار بھی  
 کرتا ہے، اپنی جان کی قسم یہ کام تو نہایت عجیب قسم کا ہے۔ لیکن اگر تو ان کی محبت میں سچا  
 ہوتا تو اطاعت کرتا کیونکہ محبت محبوب کا مطیع اور فرماں بردار ہوتا ہے۔“

## اسلام فاتح عالم

بالآخر وہی عطا جو تاگزیر تھا، وہ یوم موعود آ پہنچا کہ جس کی آمد یقینی تھی، امریکا نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ مل کر عراق پر حملہ کر دیا، کیوں؟ اس لیے کہ تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات اور اس کے بعد نامعلوم کس کی، بلکہ کس کس کی باری ہے؟ کیونکہ درازی تیری زلفوں کی خدا جانے کہاں تک ہے تاریخ انسانی میں ثبت ہو جانے والی روداد سرکشی و بہیمیت کی قسم اور صفحہ ہستی میں پھیلی ویرانی اور اس ویرانی سے پیدا ہونے والے ہر اس کی قسم! طلوع سحر کے نمود کا وقت قریب آچکا ہے، ظلمت و تیرگی کی شام ہو چکی، اب اجالے آنے والے ہیں، اس لیے کہ اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے اتنا ہی وہ ابھرے گا جتنا کہ دباؤ گے

یہ ٹھیک ہے کہ آج زمینی حقائق اس کے برعکس ہیں۔ یہ تحلیل 'عقل پر دازوں' کے نزدیک محض دیوانے کا خواب ہے۔ آج دنیائے ترقی و جدید کا انسان، خزینہ بصیرت و بصارت سے محروم انسان، ضابطہ اخلاق و تہذیب کا مفروز انسان، تیسری دنیا پر اپنے غیظ و غضب کا اظہار کر رہا ہے، مگر بھول گیا ہے کہ اللہ محض تیسری دنیا کا معبود نہیں وہ لامحدود وسعتوں اور ناپیدا کنار حقیقتوں کا مالک ہے۔ 'تاریخ' نے ہر بار وہی کیا ہے جو وہ کرتا آیا ہے۔ 'نماردہ عالم' و 'فراعنہ عصر' نے ہر دور میں 'انادیکم الاعلیٰ' کی صدائے سرکشی بلند کی۔ مگر نتیجاً نکال الآخرۃ والاولیٰ سے ان کی پذیرائی ہوئی۔ اور ﴿اِنَّ سَعِیْہَہٗ



سَوْفَ يُرَى ﴿النجم: ۴۰﴾ ”یہ کہ ان کی سعی عنقریب دیکھی جائے گی۔“

اور پھر معاملہ یہیں پر بس نہیں ہوگا بلکہ

﴿يُجْزَاهُ الْجِزَاءُ الْأَوْفَى﴾. [النجم: ۴۱]

”اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔“

آج سطح ارضی کے ہر ہر مقام پر مسلمان بے بس بھی ہیں اور مجبور بھی، کیونکہ یہ ان کی صدیوں کی گمراہی نہ روش کا نتیجہ ہے، اللہ ہم سے نہیں روٹھ گیا، یہ ہم ہی ہیں جو اسے بھلا بیٹھے ہیں، اور جب تک ”نطقی ذکراً و صمتی فکراً و نظری عبرة“ کی صورت پیدا نہیں ہوتی تب تک رشتہ وفا بھی استوار نہیں ہو سکتا۔

تاریخ اسلامی کا کونسا طالب علم ہے جو چنگیز خان کی بربریت و بے حیثیت سے آگاہ نہیں، یہ وہی چنگیز خان ہے جس کے لشکریوں نے ظلمت و تیرگی کے سائے بڑھائے تھے اور جس کی درندگی نے روح اہلس کو بادمسرت کے جھونکے ہدیے کیے تھے، لیکن یہی چنگیز خان جب واپس گیا تو اس کا دل اسلام کی عظمت سے لبریز ہو چکا تھا، مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی لکھتے ہیں:

”(۶۲۱ھ میں چنگیز خان) جب بخارا پہنچا تو حکم دیا کہ مسلمانوں میں جو شخص سب سے زیادہ عالم اور اپنے مذہب سے واقف ہو اس کو میرے سامنے لاؤ تاکہ میں اس سے مذہب اسلام کی حقیقت و ماہیت معلوم کروں..... حکم کی تعمیل میں قاضی اشرف اور ایک جید عالم اس کے دربار میں پیش کئے گئے۔ چنگیز خاں کے دریافت کرنے پر ان دونوں مسلمانوں نے سب سے پہلے توحید باری تعالیٰ کا عقیدہ بالتفصیل بیان کیا۔ چنگیز خان نے کہا کہ میں اس بات کو بھی قابل قبول مانتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ بندوں کی ہدایت کے لئے دنیا میں اپنے اپنی اور پیغمبر بھیجا کرتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے نماز اور روزہ کے

لازمی ہونے کا حال بیان کیا۔ چنگیز خان نے کہا کہ اوقات معینہ میں خدائے تعالیٰ کی عبادت بجالانا اور گیارہ مہینے کے بعد ایک مہینے کے روزے رکھنا بھی بڑی معقول بات ہے۔ اس کے بعد انہوں نے حج بیت اللہ کے فرض ہونے کا حال بیان کیا۔ چنگیز خان نے کہا کہ اس کی ضرورت کو میں تسلیم نہیں کرتا۔ چنانچہ قاضی اشرف نے تو چنگیز خان کی نسبت یہ خیال ظاہر کیا کہ وہ مسلمان ہو چکا ہے۔ لیکن دوسرے عالم نے کہا کہ چونکہ اس نے حج بیت اللہ کا انکار کیا ہے۔ اس لئے وہ مسلمان نہیں ہوا۔“ [تاریخ اسلام: ۳۵۸، ۳۵۹-۳۶۰]

وہ فاتح بن کر آیا تھا، مگر مفتوح بن کر لوٹا، اس نے جسموں کو تسخیر کیا تھا مگر خود اپنے دل کی بازی بارگاہ اسلام کی عظمت و فضیلت کے سامنے ہار گیا۔

مسلمان خواہ فاتح رہے ہوں یا مفتوح۔ مگر اسلام ہمیشہ فاتح عالم رہا ہے۔ جن پاکیزہ قلوب نے ہر دور فتن کے فتنوں میں اسلام سے اپنی وابستگی برقرار رکھی وہ بھی ’اجراً حسناً‘ کے مستحق ٹھہرے، مگر جنہوں نے اعراض کیا، ان کے حصے میں حسرتوں کے داغ اور محرومیوں کے خلاء آئے۔ اس لیے کہ محض زبانِ قال سے ’لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘ پڑھ لینے سے کوئی فرد صاحب ایمان نہیں ہو جاتا۔

یہ شہادت گہم الفت میں قدم رکھنا ہے

لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

بائیں ہمہ! اس بات کی تاخیر سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اسلام فاتح رہا ہے، مفتوح نہیں۔ کیا آج خطہ ارضی پر اسلام کے سوا کوئی دین ہے جو اپنی اصل صورت پر قائم ہو، جس کے پیروؤں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہو۔ آج ’پہلی دنیا‘ کے رہبر اعظم امریکا میں کونسا دین ہے جو ترقی پذیر ہے اور کوئی تعلیمات ہیں جو اوج کمال کا سفر طے کر رہی ہیں۔ ٹھیک ہے آج امریکا اور یورپ و دیگر با اختیار دنیا کا نشانہ تیغ و ستم مسلمان ہیں لیکن وہ دن دور

نہیں جب اسی منج ظلمت و تیرگی سے روشنی کی کرن پھوٹے گی۔

یہ ٹھیک ہے کہ آج اہل اسلام کے لئے صورتحال نہایت تکلیف دہ ہے لیکن:

﴿لَاتَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ﴾ ”اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو“

کیونکہ:

﴿لَا تَأْيِسُوا مِنْ رُوحِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَأْيِسُ مِنْ رُوحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ

الْكَافِرُونَ﴾ [یوسف: ۸۷]

”اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو، بے شک اس کی رحمت سے صرف کافر

ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔“

www.KitaboSunnat.com

## سیاسی

- ☆ عالمی صہیونیت کی عالم اسلام سے محاذ آرائی
- ☆ عالم اسلام اور امریکا اسرائیل تعلقات
- ☆ اسلامی دنیا اور معاشی قوت
- ☆ مسئلہ فلسطین اور مسلمان
- ☆ اے خطہ کشمیر!
- ☆ ۷ اکتوبر ۲۰۰۱ء
- ☆ چینیا کے کوساروں سے

www.KitaboSunnat.com

## عالمی صہیونیت کی عالم اسلام سے محاذ آرائی

اب یہ حقیقت ماہرینِ دنیا کے سیاست سے نکل کر عام افرادِ انسانی پر بھی آشکار ہو چکی ہے کہ عالمی صہیونیت کا اصل نزاع عالم اسلام سے ہے، یہ کسی وقتی محرک یا جزوی کشمکش کا نتیجہ نہیں۔ قرآن پاک میں ارشادِ ربانی ہے۔

﴿لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا﴾

[المائدة: ۸۲]

”آپ (ﷺ) گروہِ نفسِ انسانی میں اہل ایمان سے عداوت رکھنے میں

سب سے زیادہ حریص یہود اور ان لوگوں کو جنہوں نے شرک کیا، پائیں گے۔“

لاریب کہ ﴿وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا﴾ کا اطلاق آج سب سے زیادہ قومِ ہنود پر ہوتا ہے کہ جس کی شرانگیزیٰ ظاہر اور عداوت نمایاں ہے۔ لیکن یہاں ہمارا موضوع بحث ’یہودی‘ ہیں۔ دنیا کا شاذ و نادر ہی کوئی یہودی ہوگا جو صہیونی نہ ہو۔

## صہیونیت کیا ہے؟

صہیونیت کے ہزار ہارنگ اور بے شمار فریب کن چہرے ہیں، ان کی ہر صورت کریہہ المنظر اور ان کا ہر طریق عمل ضررِ رساں انسانیت ہے۔ ان کی ایک تنظیم ’فری میسن‘ ہے۔ جس کی بلا مبالغہ لاکھوں شاخیں ہیں۔

## فری میسن تنظیم:

یہ تنظیم انسانی تاریخ کی قدیم ترین و خفیہ ترین تنظیم ہے۔ یہ خالصتاً صہیونی تنظیم ہے۔ ایک انگریز مولف لکھتا ہے:

”ایک فری میسن اگر پیدائشی یہودی نہ ہو تو بھی وہ یہودی بن جاتا ہے۔“

[فری میسن تحریک کی حقیقت: ۱۱]

فری میسن کا مطلب ’آزاد معمار‘ ہے، یہ خود کو کسی اخلاقی، مذہبی اور قانونی پابندی سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ اس تنظیم کی تائیس کب عمل میں آئی؟ اس پر مختلف آراء ہیں اور اس پر سوائے ”واللہ اعلم بالصواب“ کے کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے۔ تاہم راقم کے نزدیک اس کے تین ادوار ہیں:

(۱) پہلا دور:

اس تحریک کے مصنفین اس تحریک کا زمانہ تائیس حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ السلام کے عہد سے شروع کرتے ہیں، تاہم امر واقعہ یہی ہے کہ اس کی تشکیل بہت بعد میں ہوئی ہے۔ اس تحریک کی قدیم ترین کتاب ’قوانین‘ ہے جو اسکاٹ لینڈ کے ایک بااثر یہودی رہنما جیمس اینڈرسن JAMES ANDERSON (۱۶۸۰-۱۷۳۹ء) نے لکھی، یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۷۲۳ء میں لندن سے طبع ہوئی۔ بایں ہمہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس تحریک کا پہلا دور اس کے یوم تائیس سے لے کر اس دور تک ہے جب یہ دنیا میں شر پھیلانے کے قابل ہوئے۔

(۲) دوسرا دور:

اس تحریک کا دوسرا دور وہ ہے کہ جس میں یہ یورپ و امریکا میں سیاسی انقلابات کا باعث بنے۔ اس دور میں ان کا نشانہ بالخصوص عیسائی بننے ہیں۔ اس عہد میں ان کا اہم کارنامہ ”انقلاب فرانس، زار روس کی حکومت کا خاتمہ اور تغیر امریکا“ ہے۔ اس دور میں انہوں نے دنیائے عالم کو بتلائے انتشار رکھنے کی غرض سے مختلف قسم کے نظریات میں الجھایا اور اقتصادی طور پر غیر معمولی کامیابیاں حاصل کیں۔ یہ دوسرا دور ان کے تیسرے دور کی کامیابیوں کا نقطہ آغاز ثابت ہوا۔



(۳) تیسرا دور:

اس تحریک کا تیسرا اور موجودہ دور تھیوڈور ہرتزل THEODOR HERTZL

(۱۸۶۰-۱۹۰۴ء) نے شروع کیا جو جدید صہیونی سیاست کا بانی اور بابائے ملت تھا۔ اس نے پہلی مرتبہ یہودیوں کے لیے علیحدہ وطن کی تجویز پیش کی۔ ۱۸۹۵ء میں اس نے ایک رسالہ شائع کیا جس میں اپنے نظریات کی توثیق کے لیے خوب خوب پردہ پگندہ کیا۔ ۱۸۹۷ء میں سوئٹزرلینڈ کے شہر باسل میں پہلی صہیونی کانگریس منعقد کی۔ اس دور میں عالمی صہیونیت کی عالم اسلام سے محاذ آرائی کھل کر سامنے آ گئی ہے۔ اس دور میں اس خطرناک تحریک نے خلافت عثمانیہ کا خاتمہ اور بیت المقدس پر جارحانہ قبضہ جیسے عزائم کی تکمیل کر لی ہے اور اب اپنے مزید غلیظ عزائم کی تکمیل کی طرف رواں ہے۔

### برصغیر میں فری میسن تحریک :

برصغیر میں ’فری میسن‘ کی آمد سے متعلق جناب اسرار عالم رقمطراز ہیں:

”ہندوستان میں فری میسن تحریک کی سب سے قد آور شخصیت سرمد کی ہے۔ سرمد نے چند ہی سالوں میں سلطنت مغلیہ کو ڈانٹا مٹا کر دینے کی سازش کی تھی۔ لیکن حضرت عالمگیر کی نگاہ دور رس سے اور معاصر بیدار علماء و مشائخ کی فراست سے اس کا انداد ہو گیا۔ حالات و واقعات یہ بتاتے ہیں کہ ۱۷۵۷ء سے لے کر ۱۸۵۷ء تک رونما ہونے والے واقعات میں جو سلطنت مغلیہ کے خاتمے پر منبج ہوئے ان کا سب سے بڑا ہاتھ تھا۔ بہادر شاہ ظفر کے ایک ریفرنس سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار کو اس طبقے کی سازشوں کا بخوبی علم تھا۔ اس سلسلے کی دوسری قد آور شخصیت نمود و انمود کی ہے جس نے عہد فرخ سیر میں رسوخ حاصل کر لیا تھا۔“ [بین الاقوامی ایجنسیاں، تعارف اور طریق کار: ۲۳]

نواب سید صدیق حسن خاں رحمہ اللہ علیہ اپنی کتاب ”دلیل الطالب علی ارجح المطالب“ میں رقمطراز ہیں:

”ابتدا میں اس تحریک کا رواج جرمن اور لندن میں ہوا اور وہاں سے اس کی شاخیں بنگال آئیں اور فری مین لاجوں کی بنیاد رکھی گئی۔ بنگال سے ہندوستان میں آیا اور یہیں سے کابل اور سندھ میں اس کا رواج پھیلا۔“

سلطان حیدر علی اور اس کے نامور فرزند ٹیپو سلطان کو بھی شکست دلوانے میں فری میسنز بہت مستعد رہے۔ جناب بشیر احمد لکھتے ہیں:

”میسور کی دوسری لڑائی ۱۷۸۰/۱۷۸۳ء میں حیدر علی کے خلاف فری مین لاجوں میں سازشیں تیار ہوتی تھیں ایسے ہی شیر میسور ٹیپو سلطان کی برطانوی سامراج کے خلاف میسور کی جنگ ۱۷۹۹ء میں نظام کی افواج کی کمان جس انگریز جنرل آرتھر ولز کے پاس تھی وہ فری مین تھا اور لارڈ ولز لے گورنر جنرل کا چھوٹا بھائی تھا۔ ٹیپو سلطان نے برطانوی سامراج کو شکست دینے کے مجاہدانہ عزم کے لیے ایک تو فرانس کی مدد لی دوسرے وہ فرانس کی ایک انقلابی جماعت جیکو بن کلب Jacobin Club کے ممبر بنے اس کلب کے انقلابی نظریات کے باعث فری مین اس کے سخت مخالف تھے ایسا معلوم ہوتا ہے فرانسیسی گریڈ اور اینٹ ٹیپو سلطان کو شکست دلوانے میں پوری پوری دلچسپی رکھتی تھی۔“ [فری میسنری: ۱۳۹-۱۴۰]

اسی طرح سید احمد شہید کی تحریک مجاہدین کے خلاف بھی بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ جناب بشیر احمد لکھتے ہیں:

”انگریز کے دور اقتدار میں پنجاب فری میسنری تیزی سے پھیلی یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج کے فرانسیسی افسر جنرل

ونطورا Ventura اور جنرل الارڈ Allard فری مین تھے اور فرانسیسی فری میسنری سے وابستہ تھے۔ انہوں نے سید احمد شہید کی تحریک جہاد کو کچلنے میں سکھ جنرل شیر سنگھ کی مدد کی جس کے نتیجے میں بالاکوٹ میں مجاہدین آزادی نے جام شہادت نوش کیا۔“ [حوالہ مذکور: ۱۳۱-۱۳۲]

’مدرسہ عالیہ‘ کلکتہ کے صدر مدرس مولانا امین اللہ انصاری نگر نہسوی عظیم آبادی (م ۱۲۳۴ھ) نے اس تحریک کے اغراض و مقاصد سے متعلق حصول معلومات کے لیے از حد کوششیں کیں۔ مختلف قابل اعتماد افراد کو خفیہ طور پر اس تحریک کا رکن بنایا، تاکہ حقائق سے آگاہی ہو سکے لیکن جب وہ اشخاص رکن بن گئے تو انہوں نے اس راز سر بستہ سے متعلق ایک لفظ بیان نہیں کیا۔

اس تحریک کے بعض اغراض و مقاصد پر منشی ظہیر الدین بلکرای نے ایک مستقل کتاب ’ظہیر الایمان‘ لکھی۔

کلکتہ کے بعض عیسائی اس تحریک میں شامل ہو گئے تھے لیکن اپنی غلطی پر متنبہ ہونے کے بعد انہوں نے اس تحریک سے کنارہ کشی کی اور اس کی مذمت میں کتابیں لکھیں۔ کپتان ہائن اس ضمن میں خاص طور پر لائق تذکرہ ہے۔

نواب سید صدیق حسن خان والی بھوپال (م ۱۳۰۷ھ) نے اپنی کتاب ”دلیل الطالب علی ارجع المطالب“ میں ایک عنوان ”نفس السن علی صلی الرجل فی زمرۃ فری میسن“ (صفحہ ۷۷ تا ۸۸) قائم کیا۔ یہ کتاب ۱۲۹۵ھ میں طبع ہوئی۔ یہ کتاب فارسی میں ہے۔ اس کے اس حصے کا اردو ترجمہ مولانا حافظ محمد اسماعیل (کراچی) نے اپنی کتاب ’فری مین تحریک کی حقیقت‘ (مطبوعہ ۱۹۶۹ء کراچی) کے آخر میں ملحق کیا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی سے اس تحریک سے متعلق واضح سوالات کیے گئے، جس

کا جواب انہوں نے 'التقى فى احكام الرقى' اور 'ظلم كشائى فرى ميسن' میں دیا۔ یہ دونوں رسالے غالباً موصوف نے ۱۹۰۱ء میں لکھے۔

پاکستان میں سب سے پہلے اس تحریک پر جناب مصباح الاسلام فاروقی مرحوم نے قلم اٹھایا اور دو کتابیں

### (۱) FREE MASSONIRY

### (۲) JEWISH CONSPIRACY AND THE MUSLIM WORLD

لکھیں۔ جن کے بعد اس موضوع پر مختلف ارباب علم و فکر نے متعدد کتابیں تالیف کیں۔ جن کا احصاء یہاں مقصود نہیں۔

### عالم اسلام سے محاذ آرائی :

صہیونیوں نے عیسائی دنیا کو مغلوب کرنے کے بعد عالم اسلام پر اپنی توجہ مرکوز کی اور اس ضمن میں جنگی اخلاق کے ہر اصول سے بالاتر ہو کر 'رسم جفا' بھاتے رہے اور بھا رہے ہیں۔ راقم نے اپنی کتاب 'بیت المقدس کس کا حق ہے؟' (مطبوعہ اصلاح المسلمین پبلشرز کراچی ۲۰۰۱ء) میں ایک مقام پر لکھا ہے:

”لاریب کہ آج یہودی افق عالم پر چھائے ہوئے ہیں۔ ایسا ایکدم نہیں ہو گیا، اس کے لیے انہوں نے صدیوں اپنی مکارانہ ذہنیت پر عمل کیا ہے، سیاسیات کو اخلاقیات کے مقابل لاکھڑا کیا، نئی اشرافیہ کی بنیاد ڈالی، فلسفہ و افکار کی دنیا میں نت نئے باطل ازم کو روشناس کرایا، مادیت پرستی کے رجحان کو فروغ دے کر عالمی معاشی بحران پیدا کیا، ممالک کے درمیان بالعموم اور اسلامی ممالک کے درمیان بالخصوص وسیع خلیج حائل کی، دہشت دہریریت کی خوصلہ افزائی کی، زرد صحافت کو رواج دیا، فحاشی اور عریانی کی تشہیر و تبلیغ کی، تفریحی

مراکز قائم کر کے لہو و لعب کی محفلوں کو عام کیا، لادینیت کے ہتھیار سے دینی رجحان کی بیخ کنی کی، جمہوریت کی نیلم پری کی اداؤں سے بڑے بڑے زعمائے ملت کو اسیر کیا تا کہ مقصدیت سے انحراف ممکن ہو سکے اور سب سے بڑھ کر اقوام متحدہ کے نام سے ’سپر گورنمنٹ‘ تیار کی، جس کے سامنے تمام اسلامی ممالک بالخصوص بے بس ہیں۔

صیہونی دانا بزرگوں کی دستاویز میں لکھا ہے:

”اتنی آسانی سے ہمارے کامیاب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہم جن افراد کو اپنی مطلب براری کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں تو ان سے تعلقات استوار کرنے میں ان کے ذہن کے حساس ترین تاروں کو چھیڑتے ہیں مالدار ہونے کی خواہش، عاشق مزاجی، لامتناہی مادی خواہشات، ان میں سے ہر ایک انسانی کمزوری انفرادی طور پر ان کی اختراعی قوتیں مفلوج کر دینے کے لیے کافی ہے انسان اپنی قوت ارادی اس کے سپرد کر دیتا ہے جو اسے یہ چیزیں مہیا کرتا ہے۔“

یہودیوں نے اپنے سوادگیر اقوام و ملل کو نابود کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا، انسان کی سفلی خواہشات کا سہارا لے کر اسے عقل و فکر کی دولت سے محروم کرنے کی پوری سعی کی۔

یہودیوں نے دنیا کو ایسا کلچر Culture دیا ہے، جس کی بنیاد مخلوط آزادی اور اخلاقی بے راہ روی ہے، وہ لٹریچر اور صحافت مہیا کیا ہے جو شہوانی تسکین کے جذبے سے معمور ہے، وہ فیشن Fashion دیا ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں اپنی تذکیر و تانیف تک بھول گئے ہیں، وہ رومان پرور ادب تخلیق

کیا ہے کہ جس میں حرص و ہوس کو محبت کا نام دے کر جذبہ محبت کی توہین کی ہے، کجا جذبہ محبت اور اس کی پاکیزگی اور کجا جذبہ حرص و ہوس اور اس کی پستی۔ دنیا کی تاریخ میں شاید ہی کبھی تہذیب و تمدن اور ادب کے نام پر ایسی بد تہذیبی اور بد اخلاقی کی تشہیر کی گئی ہوگی۔“ [بیت المقدس کس کا حق ہے؟ ۲۵-۳۷]

مسلمانوں پر صہیونی محاذ آرائی کی ابتداء پر نگاہ ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان مفسدانہ کاوشوں کی شروعات زمانہ نبوت ہی میں ہو گئی تھی۔ نبی کریم ﷺ پر قاتلانہ حملے، کعب بن اشرف (یہودی) کی ہرزہ سرائیاں، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت ان سب میں یہودیوں ہاتھ کار فرما رہا۔ اس کے بعد بھی نامعلوم کن کن کمزور لحات میں یہ خفیہ ہاتھ شریک کار رہا۔

### مختلف ذرائع :

مسلمانوں کو مبداء بہ زوال کرنے کے لئے صہیونیوں نے جو ذرائع استعمال کیے ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ یہاں بالخصوص تین اہم ذرائع کی نشاندہی کروں گا۔

### (۱) تفرق و انتشار کا فروغ :

مسلمانوں کو تفرق و انتشار سے ہمکنار کرنے کے لیے ان میں مختلف قسم کے رجحانات باطلہ کو فروغ دیا اور مسلکی اختلافات کو ہوادی۔ اس ضمن میں نہ صرف یہ کہ اہل تشیع میں نفوذ حاصل کر کے ان کا استحصال کیا بلکہ طبقہ صوفیاء میں بھی داخل ہو کر بعض طبقات کو اپنا آلہ کار بنایا۔ اس ضمن کی سب سے واضح مثال ’قادیانیت‘ ہے۔ اسرائیل کے جہاں مسلمانوں کا قیام دو بھر ہے، وہاں قادیانیوں کو ہر طرح کی آزادی میسر ہے، اسرائیل کا شہر حيفا قادیانیت کا خاص مرکز ہے۔ گو مسلمانوں نے قادیانیوں تو کافر قرار دے

دیا ہے۔ لیکن قادیانیوں کی ملت دشمن سرگرمیوں سے ابھی تک کما حقہ بچاؤ ممکن نہیں ہو سکا ہے۔ اسی طرح بہائیت جو بے شک مسلمانوں کے کھلے دشمن ضرور ہیں، لیکن ان کی پیدائش صہیونی دماغوں ہی کا نتیجہ تھی۔ بہائیوں کا بھی ایک بڑا عالمی مرکز اسرائیل میں قائم ہے۔

## (۲) طبقہ اناٹ کا استعمال :

مسلمانوں کو تنخیر کرنے کے لیے جو بے استعمال کیے گئے ان میں سے ایک نسخہ 'حسن انسانی' کا بھی تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے طبقہ اناٹ کی حسین اور ذہین عورتوں کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا، جنہوں نے وقت پڑنے پر اپنی قیمتی ترین متاع کی قربانی سے بھی دریغ نہیں۔ ہندوستان میں غالباً اس کی ابتداء عہد اکبری میں ہوتی ہے، بلکہ اس ضمن میں خود اکبر اعظم ہی کو فوقیت حاصل ہے، ہمارے فاضل معاصر بزرگ مولانا حکیم محمود احمد صاحب برکاتی مدظلہ لکھتے ہیں:

”مختصر یہ ہے کہ اکبر مغرب اور اہل مغرب سے بہت مرعوب و متاثر تھا، اور اس دور میں کسی فرماں روا کے رجحان و تاثر کے جو اثرات ملک و اہل ملک پر مرتب ہوتے تھے اس کا بیان لا حاصل ہے۔ چنانچہ برعظیم میں اسی کے دور سے ولایتی بیویوں کا سراغ ملتا ہے اور بعض مورخ اس سلسلے میں سب سے پہلا نام خود اکبر کا ہی لیتے ہیں“ [ولایتی بیویاں ولایتی شوہر: ۱۱، مطبوعہ اصلاح المسلمین پبلشرز، کراچی ۲۰۰۳ء]

ماضی قریب میں اس کی سب سے اہم مثال انور السادات صدر جمہوریہ مصر کی یہودی بیوی 'جہاں' ہے، جو ایک بلند مرتبت خانوادہ یہودی کی رکن تھی، جس کی عزت و توقیر کا اندازہ اس امر سے لگائیے کہ جب عالمی یہودی کانگریس میں دو بڑے مذہبی طبقوں میں اختلاف رونما ہوا تو اسے ثالث اور حکم قرار دیا گیا۔

یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ ان دخترانِ یہود و فرنگ نے جو رشتہ مناکحت مسلمانوں سے استوار کیے تو ایسا کسی جذبہ محبت و الفت سے مغلوب ہو کر نہیں کیا، بلکہ اس کے مقاصد خالصتاً سیاسی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی یہودی عورت نے کبھی کسی غریب و بے اثر مسلمان سے نکاح نہیں کیا۔

الغرض دخترانِ یہود و صلیب کا اختلاط مسلم معاشرے میں نہ صرف مسلمانوں کے سیاسی و معاشرتی زوال کا باعث بنا، بلکہ عریانیّت و فحاشی کے فروغ کا بھی ذریعہ رہا۔ کیونکہ ان خواتین نے طبقہ اشرافیہ میں شامل ہو کر فحاشی و عریانیّت کی تبلیغ و تشریح کی۔ اور ”الناس علی دین ملوکھم“ کے مصداق یہ سلسلہ دراز تا دراز تر ہوتا چلا گیا۔

جناب قمر الدین احمد نے اپنی کتاب ’بنات الصلیب‘ [مطبوعہ اخوان المؤمنین پبلشرز کراچی] میں اور محترم مولانا حکیم محمود احمد صاحب برکاتی نے اپنی کتاب ’ولایتی بیویاں ولایتی شوہر‘ [مطبوعہ اصلاح المسلمین پبلشرز، کراچی ۲۰۰۴ء] میں طبقہ اناث کی سازشوں کا تحقیقی تجزیہ کیا ہے۔

### (۳) ریشنا نریشن کی تحریک :

ملت اسلامیہ کو ضرب کاری لگانے کے لیے ان کی تیسری اہم کوشش ریشنا نریشن Raioanalisation یعنی دین میں عقلیت کی حکمرانی قائم کرنا ہے۔ تاکہ مسلمان بوقت نزاع کتاب و سنت سے راہنمائی کی بجائے اپنے عقل ناقص کو حکم قرار دیں۔ ظاہر ہے کہ انسانی عقل کے پیمانے جدا گانہ ہیں، جس کی وجہ سے مسلمانوں میں افتراق و انتشار کی بنیادیں مزید گہری ہوتی چلی گئیں، برصغیر پاک و ہند میں سرسید احمد خان نے اس سلسلے میں نمایاں اقدامات کیے۔ گودہ اپنی ذات کی حد تک اپنی ملت سے مخلص تھے، لیکن ایسے احباب میں گھر چکے تھے جو کہ فری میسنز تھے اور جنہوں نے سرسید احمد



”گزشتہ دو عہدہ کو ہمارے کلکتہ آفس سے جو خبر موصول ہوئی ہے اس میں ایک مختصر اطلاع دی گئی ہے کہ لارڈ لٹن نے علی گڑھ میں محمدن کالج کا سنگ بنیاد رکھا۔“

”مختصر یہ کہ اس کالج کی بنیاد ایڈوانٹیا کے لبرل مسلمانوں کی فتح ہے جو انگریزوں کی تائید میں ہوتے ہوئے بھی مہمان وطن میں شمار ہوتے ہیں اس سیکشن کے نمائندے سید احمد خان کہے جاسکتے ہیں جو اس اسکیم کے موسس ہیں۔ ابتداء میں متعصب مسلمانوں کی طرف سے اس منصوبے کی مخالفت ہوئی جنہوں نے سرسید پر الحاد و ارتداد کا الزام عاید کیا۔ سالار جنگ کے چندہ دینے سے دربار نظام کے کٹر درباری مخالفت پر تل گئے۔ رفتہ رفتہ اس منصوبے کو مقبولیت حاصل ہونے لگی۔“

”ہمارے لیے مسلمانوں کے سخت تر طبیعت پر قابو پانا زیادہ مشکل تھا اور اس کو قابو میں لانا قدر و قیمت کے اعتبار سے بھی بہتر تھا۔ لیکن یہ کام بے انتہا دشوار تھا اپنے مسلک اور اپنی تاریخ کے پیش نظر وہ ہم کو اپنا حریف سمجھتا ہے۔ طاقت سے محروم ہو جانے کے سبب سے وہ افسردہ رہا ہے کہ پہلے کی طرح وہ اپنا اثر و اقتدار منوانہیں سکتا تھا۔ لیکن وہ برابر اس کا متوقع اور منتظر رہا ہے کہ اس کی غلامی کا عہد ختم ہو جائے گا اور وہ اس زنجیر سے آزاد ہو جائے گا جس سے اس کے نئے آقا تیر و ترویر سے اس کو جکڑتے جاتے تھے۔“

”علی گڑھ کا یہ کالج اس امر کا مستقل ثبوت ہے کہ بالآخر ہماری مساعی کتنی

سنگلاخ شے پر اثر انداز ہوئیں جن کا ہم کو سابقہ تھا۔ اور اسی بنا پر اس تحریک کو شکل دینا اور اس کی ترقی میں معاون ہونا جتنا زیادہ مشکل ہے اتنا ہی حق بجانب ہے۔“

”جب تک مطلوبہ بنیادی سرمایہ ہاتھ میں نہ آجائے اس پر بحث کرنا قبل از وقت معلوم ہوتا ہے کہ علی گڑھ کی آئندہ ترقی کے امکانات کیا ہیں اور جن اصولوں پر وہ چلایا جانے والا ہے وہ کہاں تک صحیح ہیں۔ ہم جو بہترین نتیجہ نکال سکتے ہیں ان کا مداری الحال امیدوں پر ہے نہ کہ پیشین گوئیوں پر۔ البتہ بعض باتیں ایسی ہیں جن پر ہم قیاس آرائی کر سکتے ہیں۔ مشنری کا خاکہ مکمل ہے صرف جزئیات کی خانہ پری باقی ہے اور یہ وقتاً فوقتاً جیسے جیسے ضرورت پیش آتی رہے گی اور سرمایہ فراہم ہوتا رہے گا پوری ہوتی رہیں گیں۔“

”علاوہ بریں ایک امید افزا علامت غیر متوقع لاندھی (سیکلر) رواداری کی روح کارفرمائی ہے۔ ظاہر ہے مسلک اسلامی ہوگا لیکن مسلمانوں کے ساتھ ساتھ بے دین Giour کو بھی اس کا حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنی قابلیت سے یہاں کے فوائد حاصل کرنے کا اپنے مستحق ثابت کریں۔ آزادی خیال کے راستے میں یقیناً یہ ایک پیش قدمی ہے۔ جس امتیاز کو تقریباً حال ہی میں لیکن نامکمل طور پر ہم نے حاصل کیا ہے اور جس کے بارے میں ہم کو بہت کم توقع تھی کہ ہندوستانی مسلمانوں کی مستحکم صف میں اس طرح تمام وکمال راہ پاسکے گی۔“

[بین الاقوامی ایجنسیاں تعارف اور طریق کار: ۳۲-۳۳]

اس طویل اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سر سید احمد خاں خواہ کچھ ہوں لیکن ان کے خفیہ احباب کا مقصد یقیناً صیہونی عزائم کی تکمیل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ علی گڑھ یونیورسٹی

سے جو فضلاء دہر فارغ التحصیل ہو کر نکلے ان کی اکثریت دین کی تعمیر کی بجائے تخریب میں مصروف عمل رہی، خود سرسید کو بھی آخری دور میں اس کا احساس ہوا، چنانچہ اپنے ایک مکتوب گرامی مرقومہ ۱۸۹۰ء میں لکھتے ہیں:

”تجب یہ ہے کہ جو تعلیم پاتے جاتے ہیں اور جن سے قومی بھلائی کی امید تھی، وہ خود شیطان اور بدترین قوم ہوتے جاتے ہیں۔“ [سوج کوثر: ۳۲۸]

مصر کا ’جامعہ ازہر‘ مسلمانوں کے علم و تمدن کا بہت بڑا مرکز ہے، چنانچہ یہاں یہودی خود کو مسلمان ظاہر کر کے داخل ہوئے، چند برسوں میں جب فارغ التحصیل ہو گئے تو اسلامی دنیا میں سرایت کر گئے۔ اس طرح انہیں بڑا سوخ حاصل ہوا۔

ریشٹلائزیشن کی اس تحریک کی بنیادوں کو استوار کرنے کے لیے ان گمشدوں نے مسلمانوں کے تخلیقی اذہان کو تلاش کیا، پھر اپنے مذموم مقاصد کے لیے انہیں استعمال کیا۔ یہ اشخاص بے شک فری مین کے خاص رکن نہ بھی ہوں، لیکن شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کے آلہ کار ضرور بن گئے۔

### تخریبی ذہنیت :

اس تحریک کی تخریبی ذہنیت حد درجہ مجرمانہ ہے، ہزار ہا نفوس کو ہلاک کر دینا ان کے لیے معمولی بات ہے۔ حتیٰ کہ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے عالمی جنگ کی آتشیں شراروں کو بھڑکا دینا بھی یہ روار کھتے ہیں۔ مولانا محمد منیر قمر سیالکوٹی لکھتے ہیں:

”ان کی اعلانیہ دعوت بڑی دلفریب اور انتہائی جاذب نظر ہوتی ہے۔ جبکہ حقیقت اور اصلی غرض اس کے بالکل برعکس ہے۔ آدم وائر ہاپٹ نے جو نعرہ لگانہ روزگار مفکرین کی ایک عالمی حکومت کا لگایا تھا، اس سے متاثر ہو کر ہزار ہا اہل فکر جمع ہو گئے تھے۔ وہ نعرہ صرف نعرے کی حد تک تھا تا کہ ایسے لوگوں کو

فریب دیا جاسکے۔ ان کی حقیقی غرض تمام موجودہ ادیان کی تخریب تھی جس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۸۲۹ء میں نیویارک کانفرنس میں ان کے ایک انگریز مقرر رائٹ Wright نے یہ کہا تھا کہ ہماری جماعت لادین ملحدوں اور تخریبی و دہشت پسند تحریکوں کی آمیزش سے بننے والی عالمی تنظیم ہے۔ اور یہی سال ۱۸۲۹ء کیوزم کی تاریخ ولادت ہے۔ عالمی حکومت بنانے والے ان 'معماروں' کا یہ کارنامہ کس قدر ناقابل یقین لگتا ہے کہ پہلی اور دوسری عالمی جنگ انہی لوگوں نے اپنے مخصوص مقاصد کے حصول کے لیے کرائی۔ حالانکہ اس بات کی حقیقت یہی ہے اور اس بات کے دستاویزی ثبوت تک موجود ہیں پائیک کا ۱۸/۱۰/۱۹۷۱ء کا لکھا ہوا خط برٹش میوزیم لندن میں محفوظ ہے جو ان جنگوں کے پلان اور مقاصد کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ [پندرہویں صدی ہجری کے تقاضے میں شامل مضمون 'انسانی تاریخ کی خفیہ ترین تحریک: ۲۲۲-۲۲۳]

اپنی تائیس کے تیسرے اور موجودہ دور میں انہوں نے عالم اسلام کے خلاف جن بڑی تخریب کاری کا ارتکاب کیا وہ تین ہیں:

### (۱) سقوط خلافت عثمانیہ :

اسپین سے بے دخل ہونے کے بعد یہودیوں نے خلافت عثمانیہ میں پناہ لی، جہاں انہیں پوری آزادی میسر آئی۔ اس طرح ان کے قدم جمتے چلے گئے تا آنکہ ۱۹۰۱ء میں تھیوڈر ہرتزل نے اسپینی نژاد یہودی باخام قرہ صوآفندی کے توسط سے سلطان عبدالحمید کو یہ پیغام بھجوایا کہ: "یہودی ترکی کے تمام قرضے ادا کرنے کے لیے تیار ہیں، آپ فلسطین کو یہودی ریاست بنانے کی اجازت دیدیں"۔ سلطان عبدالحمید اس دام ترویہ میں نہیں آئے بلکہ انہوں نے بڑی جرأت ایمانی کے ساتھ زمین سے مٹی اٹھا کر کہا: "بیت المقدس تو بڑی چیز ہے میں فلسطین کی سرزمین کی اتنی خاک بھی دینے کو تیار

نہیں۔“ ہر تزل نے سلطان عبدالحمید کو سنگین نتائج کی دھمکی دی، اور سلطان کو معزول کرنے کے لیے فری میسن Free Masson ’دو نمبر‘ (وہ یہودی جنہوں نے منافقانہ طور پر اسلام ظاہر کیا) اور الحاد زدہ نوجوان مسلمانوں کی مدد سے اندرونی سازشیں شروع کر دیں۔ ۱۸۸۹ء میں ابراہیم تیمو (جو آرمی میڈیکل کالج کا اسٹوڈنٹ اور فری میسن تھا) نے ’انجمن ترقی و اتحاد‘ قائم کی تھی، چنانچہ یہی انجمن ترکی میں انقلاب کا باعث بنی۔ فری میسن کی ایک ذیلی شاخ انارکسٹ تنظیم نے ۳۱ مئی ۱۹۰۸ء کو استنبول میں قتل و غارت گری کا وہ خونی ڈرامہ کھیلا، جس کی نذر تقریباً ۶۸ ہزار نفوس انسانی ہوئے اور بالآخر یہی واقعہ سلطان عبدالحمید کی معزولی کا ایک اہم سبب بنا۔ اور اس معزولی کے لیے فری میسنوں نے جو کچھ کیا اس سے ان کی تحریک کا بنیاد نہایت زیادہ گہرا ہو گیا۔

انقلاب کے کچھ ہی عرصہ بعد پیرس کے کسی اخبار کے نامہ نگار نے جدید ترکی کے ایک نوجوان رفیق بک سے ملاقات کی اور اس سے پوچھا کہ کیا ان کی تحریک کا ’فری میسن‘ سے بھی کوئی تعلق تھا، اس نے جواب دیا:

”یقیناً ہمیں فری میسنری سے خفیہ امداد ملی تھی۔ خاص طور پر اطالوی فری

میسنری سے دو اطالوی لاجوں Laboret اور Mecedonia - Risorta

Lux نے ہماری حقیقی خدمات انجام دیں اور ہمیں کئی پناہ گاہیں فراہم کیں۔

جہاں ہم فری میسنوں کی طرح جمع ہوتے تھے۔ کیونکہ ہم میں سے کئی ایک

فری میسن تھے۔ وہاں ہمارے اجتماعات تنظیمی ہوتے تھے۔ ہمارے اکثر ساتھی

انہیں دو لاجوں سے متعلق تھے۔ یہ لاج ہماری تنظیم میں شامل ہونے والوں

کی اس قدر تحقیق کرتے تھے کہ کوئی مشکوک شخص شامل نہ ہو سکتا۔ چنانچہ اس

کام سے جو نہایت رازداری کے ساتھ سالونیکا میں چل رہا تھا بہت کم

شکوہ و شبہات استنبول میں پیدا ہوئے۔ اس میں داخلہ کے لیے پولیس کے ایجنٹوں نے بھی کوششیں کی لیکن ناکام رہے۔ ساتھ ہی ان لاجوں نے اٹلی میں مشرق اعظم سے درخواست کی کہ ضرورت کے وقت اطالوی سفارت خانہ مداخلت کرے چنانچہ مشرق اعظم نے اس بات کی ضمانت دی۔ ترکی کی فری مین لاجوں کا تعلق عالمی فری مین لاجوں کے ساتھ تھا۔ چنانچہ مشرق اعظم کی کانفرنس منعقدہ ۱۹۲۳ء کی رپورٹ میں ہے ”ہم مشرق اعظم کے ترکی اراکین کا تعلق پانامہ، پولینڈ اور ہندو داس کی بڑی فری مین لاجوں کے ساتھ ہے۔ اس طرح ۵۹ فری مین لاجوں کے ساتھ ہمارا رابطہ رہا۔“ [فری مین تحریک کی حقیقت: ۲۵-۲۶]

## (۲) اسرائیلی ریاست کا قیام :

۱۹۱۲ء میں پہلی جنگ عظیم برپا ہوئی جو ایک خوفناک سازش کا نتیجہ تھی، اسی دوران یہودیوں کے قومی وطن کا خاص علمبردار ڈاکٹر وائزمن Dr-Wiesman آگے بڑھا اور برطانیہ سے گٹھ جوڑ کر کے وہ پروانہ حاصل کیا جسے ’اعلان بالفور‘ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جنگ عظیم ختم ہوئی تو برطانیہ نے فلسطین کو متنازعہ علاقہ قرار دے کر اپنے ماتحت لے لیا، جسے بعد ازاں یہودیوں کو تحفے میں پیش کیا گیا۔

۱۲ مئی ۱۹۴۸ء کو برطانیہ فلسطین کو تقسیم کر کے یہودی ریاست ’اسرائیل‘ کی تشکیل میں کامیاب ہوا۔ جس کے بعد سے دیگر عرب ملکوں کے ساتھ اسرائیل کی مستقل چھیڑ چھاڑ رہی۔ تا آنکہ ۵ جون ۱۹۶۷ء کا محاربہ عظیم پیش آیا۔ اس جنگ میں اسرائیل کے مقابل مصر، شام، اردن، عراق اور سعودی عرب براہ راست ملوث تھے۔ محض ۸۰ گھنٹے جنگ جاری رہی ہے اور پھر مسلمان ملکوں نے شکست تسلیم کر لی، گویہ درست ہے کہ مسلمان ملکوں کا مقابلہ صرف نومولود اسرائیل سے نہیں تھا بلکہ بالواسطہ امریکا، برطانیہ و روس

سے تھا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو اپنے قبلہ اول بیت المقدس سے محروم ہونا پڑا۔ اور آج تک بیت المقدس کی حرمت اسرائیل کے ہاتھوں پامال ہو رہی ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: بیت المقدس کس کا حق ہے؟)

### (۳) سانحہ ورلڈ ٹریڈ سینٹر:

۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کی صبح دنیا کی طویل ترین عمارت ورلڈ ٹریڈ سینٹر (واقع نیویارک، امریکا) سے دو طیارے اس طرح آکر ٹکرائے کہ چند گھنٹوں بعد یہ پر شکوہ عمارت زمین بوس ہو گئی۔ ہلاک شدگان میں ہر قوم و مذہب کے لوگ تھے، لیکن نیویارک کی سر زمین پر بے تہ لہو میں کسی یہودی کا لہو شامل نہیں تھا۔ امریکا نے بلا جواز کسی انصاف کے تقاضے کو پورا کیے بغیر مسلمانوں کو اس کا ذمہ دار قرار دیا اور بزبان خود صلیبی جنگ کی ابتداء کی۔ ۷ اکتوبر ۲۰۰۱ء کی صبح تاریک میں دنیا کے سپر پاور نے اتحادی ممالک کے ساتھ مل کر خطہ ارضی کی مادی اعتبار سے کمزور ترین مملکت پر جارحانہ حملہ کیا۔ آتش و آہن کے شرارے پھینکے، آگ و بارود کی آمیزش سے رواداد قہر و ظلمت رقم کی۔ لیکن دوسری طرف ﴿حقاً علینا نصر المومنین﴾ کی سنت بھی پوری ہو رہی ہے۔ گو بظاہر ”آں قدح بشت و آں ساقی نماند“ کی صورت نظر آتی ہے لیکن.....

افغانستان کے بعد امریکا اپنے اتحادیوں کے ساتھ عراق پر حملہ آور ہوا، اور یہی حملہ بھی درحقیقت ۱۱ ستمبر کے بعد شروع ہونے والی بربریت و ہیبت ہی کا ایک حصہ ہے۔ لیکن عراق امریکا کے لیے لوہے کا وہ چنا ہے جسے چبا کر بالآخر امریکا کو خرابی ہاجمہ کی شکایت کرنی پڑے گی۔ انشاء اللہ العزیز

ہم سطح ارضی پر بسنے والے گناہگار وجود نہیں جانتے کہ آسمانی فیصلوں نے کیا مقدر کیا ہے؟ لیکن ﴿وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ مَبِيلًا﴾ پر یقین کامل رکھتے

ہیں، گو آج 'ایمان' ہماری گوہر گمشدہ ہے، لیکن ہمارا 'ایمان' ہے کہ جب ہم صاحب ایمان، ہو جائیں تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں مغلوب نہیں کر سکتی۔

طاقتیں دنیا کی ہم سے ہار جائیں گی بھی  
واقعی جس دن خدا کا آسرا لے لیں گے ہم



## عالم اسلام اور امریکا اسرائیل تعلقات

www.KitaboSunnat.com

عالم اسلام کو آج جن مسائل گوناگوں کا سامنا ہے ان میں یہودی سازشوں کا بہت بڑا دخل ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ یہودی قوم اپنی قلت کے باعث مسلم امہ کے لیے براہ راست کسی خطرے کا باعث نہیں بن سکتی لیکن یہودی زعماء نے عیسائی دنیا کو مسلمانوں سے متحارب کر دیا ہے جس کی بدولت وہ مسلمانوں پر در آئے ہیں۔ عیسائی دنیا میں بالخصوص امریکا یہودی شکنجے میں جکڑا ہوا ایک بے بس ملک ہے۔ عالم اسلام کی موجودہ سیاسی مشکلات کو سمجھنے کے لیے امریکا اسرائیل تعلقات کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

امریکا نے ۱۹۶۷ء اور ۱۹۷۳ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل کا تحفظ بایں طور کیا جیسے اسرائیل امریکا کا کوئی حصہ ہو۔ آخر کیوں؟ کیوں امریکی پالیسی ساز ادارے اسرائیل کی تائید میں ہر مقام پر سرگرم عمل نظر آتے ہیں؟ کیوں امریکا اسرائیل کے خلاف اقوام متحدہ میں پیش کی جانے والی ہر قرارداد کو رد کر دیتا ہے؟.....؟

امریکی تاریخ میں یہودیوں کا داخلہ صرف تین سو سال پرانی تاریخ ہے۔ یورپ بدر یہودی یہاں آباد ہوئے۔ پہلے پہل ۲۳ یہودیوں کا ایک قافلہ مسافرانہ بینکسی کے عالم میں برازیل سے اپنی جان بچا کر ۱۶۵۴ء میں نیویارک پہنچا۔ ۲۳ یہودیوں کا یہی قافلہ اب امریکی آبادی کا ۴ فی صد سے زائد حصہ ہے۔ (فلسطین اور بین الاقوامی سیاسیات: ۶۵۹) مسیحی یورپ کی یہود کش آبادی کے نتیجے میں یہودی کثیر تعداد میں امریکا میں آباد ہونے لگے ۱۶۵۴ء سے ۱۸۳۰ء تک زیادہ تر اسپین اور پرتگال کے یہودی امریکا میں اقامت گزریں ہوئے۔ نیدر لینڈ، انگلینڈ اور ویسٹ انڈیز نے بھی بکثرت یہودی امریکا آئے۔ آمد کے بعد یہودیوں کی اولین ترجیح بڑے تجارتی مراکز پر اثر و رسوخ حاصل کرنا

تھا، نیز انہوں نے زراعتی زمینوں پر بھی تسلط قائم کیا، اپنی اسی پالیسی کی تکمیل کی غرض سے وہ امریکا کے پانچ بڑے شہروں پر قابض ہوئے۔ ان میں نیویارک، نیو یورک، فلاڈیلفیا، چارلسٹن اور ہوانا ہیں۔ جہاں انہوں نے ۱۳ کالونیاں آباد کیں۔ ۱۸۳۰ء سے ۱۸۸۱ء تک یہودی آبادکاری کا دوسرا دور شروع ہوا، اس دور میں زیادہ تر جرمنی سے یہودی آئے۔ ۱۸۶۰ء تک ان کی آبادی تقریباً دو لاکھ پچھتر ہزار ہو گئی۔ (فلسطین اور بین الاقوامی سیاسیات: ۶۶۰)

پروفیسر سید حبیب الحق ندوی رقمطراز ہیں:

”امریکا میں یہودیوں کے اثرات روز اول سے شروع ہو گئے۔ وہ امریکی سول وار (خانہ جنگی) میں دونوں متحارب فریقوں سے ملے رہے۔ بلکہ ان کے نو فوجی افسران بھی امریکی تاریخ میں معروف ہیں۔ جودا بنجامن ۱۸۱۱ء سے ۱۸۸۴ء تک امریکی سینٹ کا رکن رہا اور بعد میں وزارت جنگ کا سکریٹری بن گیا۔ سول وار کا دور امریکی تاریخ کا تاریک ترین دور رہا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر یورپ کے یہودی یہاں کی تجارت، زراعت بلکہ سیاست میں گھس پڑے۔ میدان خالی پا کر تعلیم پر بھی چھا گئے۔ تیسری نسل تک یہودی امریکی سیاست اور تجارت کے علاوہ ہر قسم کی صنعت و حرفت میں نمودار ہو گئے۔ یورپ سے آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ ۱۸۸۱ء سے ۱۹۲۴ء تک ان کی آمد کا تیسرا دور رہا۔ جس میں زیادہ تر مشرقی یورپ کے معتب یہودی یہاں آئے۔ ۱۸۷۰ء میں روس، یوکرین، پولینڈ، رومانیہ اور مشرقی یورپ کے مختلف بلاد کے راندہ درگاہ یہاں آتے رہے۔ ۱۹۱۸ء تک جرمن کے یہودی یہاں بے حد طاقتور ہو گئے۔“ [فلسطین اور بین الاقوامی سیاسیات: ۶۶۰]

امریکا میں یہودیوں کے اس اجتماع کو معروف امریکی صنعت کار ہنری فورڈ نے

بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ اس نے اہل علم کی ایک کمیٹی تشکیل دی جو بین الاقوامی یہودیت اور اس کے عزائم سے آگاہ ہو سکے۔ تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ ۲۰-۱۹۱۹ء میں منظرِ شہود پر آئی۔ اس رپورٹ نے یہودی زعماء کو انتہائی مشکل میں ڈال دیا۔ یہودیوں نے رپورٹ کی ایک ایک کتاب خرید کر جلادی، بلکہ کتب خانوں سے حاصل کر کے اسے تلف کرنے میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس اہم رپورٹ کو مکمل طور پر ضائع نہیں کیا جاسکا۔ بیرون امریکا اس کی اشاعت ہوتی رہی۔ ہنری فورڈ نے یہودیوں کے خلاف یہ موقف اختیار کیا کہ یہودی جو کچھ بھی کر رہے ہیں وہ "PROTOCOLS OF THE ELDERS OF ZIONS" کی عملی تعبیر ہے۔ اس حوالے سے اس کی کتاب "THE INTERNATIONAL JEWS" انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔

ہنری فورڈ کی ان تحقیقات نے امریکا بھر میں دھوم مچا دیا۔ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۳ء تک امریکا میں یہودیوں کے خلاف عوامی نفرت اپنے عروج پر رہی۔ یہودیوں نے اس نفرت کو زائل کرنے کی پوری کوشش کی کیونکہ انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں یورپ کی طرح یہاں بھی یہود کش پالیسی کا آغاز نہ ہو جائے۔ ۱۹۲۳ء میں "JOHNSON LODGE BILL" منظور ہوا جس کے مطابق یہودیوں کی آمد کو قطعاً ممنوع قرار دیا گیا۔ ۱۹۱۹ء سے ۱۹۳۱ء تک امریکی تاجروں میں یہود کے خلاف نفرت کے جذبات کی شدت رہی۔ جو آج بھی برقرار ہے گو اب اس شدت کا اظہار نہیں کیا جاتا۔

دوسری عالمی جنگ کے بعد یہودی تاریخ میں ایک نیا موڑ آیا۔ جرمنی اور یورپ کے دیگر ممالک کے یہودی امریکا میں امد آئے۔ انہوں نے امریکا آنے کی قانونی اجازت حاصل کی۔ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۳۶ء تک امریکا میں یہودی آمد کا چوتھا دور رہا۔ ایٹم بم کی ایجاد اور دوسری عالمی جنگ کے بعد نقشہٴ عالم کی تبدیلی نے یہودیوں کو نہ صرف ارض

فلسطین میں مستحکم کر دیا بلکہ یہودیوں کے لیے امریکی ہمدردی میں بھی اضافہ ہوا۔ اور یہودی امریکا میں ایک مضبوط کمیونٹی کی حیثیت سے نمایاں ہوئے۔

معروف امریکی سینیٹر J-W-FULLRIGHT جو "COMMITTEE ON FOREIGN RELATION" کے صدر بھی تھے۔ عرب اسرائیل

تصادم کا ذکر کرتے ہوئے ایک مباحثہ میں یہاں تک کہہ گئے:

”یہ ہماری بڑی بد قسمتی ہے کہ آج امریکی خارجہ پالیسی ایک بیرونی ریاست کی خواہشات کی تکمیل کے لیے مرتب کی جاتی ہے، بلکہ زیادہ واضح الفاظ میں یہ کہنا مناسب ہوگا کہ امریکی پالیسی پر اسرائیلی قبضہ ہے۔ تمام پالیسیاں اسی کے مفاد میں بنائی جاتی ہیں۔ بین الاقوامی سیاسیات میں امریکا کی نوعیت عجیب ہو گئی ہے۔ ستم ظریفی نہیں تو کیا کہ ۱۸ کروڑ امریکی آبادی خارجہ پالیسی یہودی اقلیت کے ہاتھوں میں ہے۔ اقلیت کا یہی پریشگر روپ ہے جس نے عرب اسرائیل قضیہ کو امریکا کا خانگی قضیہ بنا دیا ہے۔ نیویارک میں عرب جہاز پر مال لادنے کے خلاف جو ترسیلات یا معاشی دباؤ استعمال کیا گیا وہ اسی یہودی پالیسی کا مظہر تھا۔ درحقیقت اس پالیسی نے امریکا کے دستور کی آزادی سلب کر لی ہے اور اس پر عمل پیرا ہونا دشوار کر دیا ہے۔ اس طرح ملکی دستور کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ قومی تحفظ کے لیے سب سے اہم شے خارجہ پالیسی ہوتی ہے۔ جو آج اقلیت کے ہاتھوں کا کھلوتا ہے اور جس کے دلال (LOBBYISTS) چیمبر کے باہر کھڑے ہو کر اراکین کو یہودی مفادات کے حق میں فیصلوں پر مجبور کرتے ہیں۔ خواہ یہ فیصلے امریکی قوم کے ہی خلاف کیوں نہ ہوں۔“ [روزنامہ نیویارک ٹائمز، ۲ مئی ۱۹۶۰ء، بحوالہ فلسطین اور بین الاقوامی

سیاسیات: ۶۶۳-۶۶۵]

جون ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اسرائیل نے امریکی مدد سے قبلہ اول پر غاصبانہ قبضہ

کیا۔

اکتوبر ۱۹۷۳ء کی جنگ میں عربوں کو اسرائیل پر یک گونہ کامیابی ہو رہی تھی لیکن

عین اس وقت جبکہ محاذ جنگ عروج پر تھا امریکی "SAMOS SATELLITE" محاذ جنگ پر گردش کر رہا تھا اور بالآخر یہی گردش عربوں کی ناکامی کا ایک اہم سبب بنی۔

لیکن امریکا کی اسرائیل پرست عوام کی نفسیات میں آہستہ آہستہ تبدیلی آرہی ہے۔ ایک معتد بہ علمی، سیاسی اور ثقافتی حلقہ عالم اسلام کے حق میں اپنی توجہ مبذول کر رہا ہے۔ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے سانحے ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے بعد اس تبدیلی کو جو ہمیز لگی ہے وہ خوش آئند ہے۔ بڑی تعداد میں امریکی عیسائی اسلام کی حقانیت کا اعتراف کر رہے ہیں اور حلقہٴ گوش اسلام ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کو وہاں سیاسی رسوخ حاصل ہو رہا ہے۔

یہ ناممکن ہے کہ کسی قوم کو ہمیشہ کے لیے حقیقت سے دور رکھا جاسکے۔ کسی شخص کو ہمیشہ کے لیے بے وقوف بنایا جاسکتا ہے لیکن یہ ممکن نہیں کہ کسی قوم کو بھی ہمیشہ کے لیے بے وقوف بنایا جاسکے۔ حالات اب اس تغیر کی غماض ہیں اور یہ تبدیلی یہودیوں کے لیے بہت گراں گزرے گی۔ یہی نوشتہ دیوار ہے اور اس کی تائید مستقبل کی تاریخ کر دے گی۔

## مسلم امہ اور معاشی قوت

www.KitaboSunnat.com

ریاست ہائے متحدہ امریکا کی تاریخ کا ایک عظیم رہنما ابراہام لنکن نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل ۲۱ نومبر ۱۸۶۲ء کو اپنے ایک دوست کے نام خط میں لکھا:

”روپے کی قوتیں امن کے زمانے میں قوم کا شکار کھیلتی ہیں اور مشکل حالات میں سازشیں کرتی ہیں۔ وہ بادشاہت سے زیادہ جابر، مطلق العنان حکومت سے زیادہ مغرور اور دفتری کارندوں سے زیادہ خود غرض ہیں۔ کارپوریشنوں کو تخت پر بٹھا دیا گیا ہے، اب اونچے ایوانوں میں بدعنوانی پھیلے گی اور روپے کی طاقتیں ملک میں تعصبات پیدا کریں گی یہاں تک کہ روپیہ چند ہاتھوں میں جمع ہو جائے گا اور ریاست تباہ ہو جائے گی۔“ [قرضوں کی جنگ: ۲۷، مطبوعہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۲۰۰۳ء]

اس بات میں کچھ شبہ نہیں کہ معاشی قوت ایسی ہی غیر معمولی اہمیت کی حامل ہوتی ہے کہ جس کے سامنے حکومتیں بے بس ہو جاتی ہیں۔ کسی ملک کی قوت میں زیادتی کے لیے معاشی ترقی ایک اہم عنصر ہے، محض وسائل کی دستیابی کافی نہیں۔ مسلم امہ کو اللہ رب العزت نے جن گونا گوں قدرتی وسائل سے نوازا ہے اس کا عشرِ عشر بھی غیر مسلم دنیا کو حاصل نہیں۔

امریکا، روس اور پاکستان تقریباً یکساں کوئلے اور فولاد کے ذخائر کے حامل ملک ہیں، لیکن صنعتی میدان میں مطلوبہ ترقی نہ کرنے کی وجہ سے پاکستان امریکا اور روس کے بالمقابل انتہائی کمزور پوزیشن کا حامل ملک ہے۔

عرب ممالک تیل کے قدرتی ذخائر سے مالا مال ہیں لیکن بد قسمتی سے اس ذوق

و فہم سے محروم ہیں کہ جس کی بدولت وہ اس ذخیرے سے غیر معمولی فائدہ حاصل کر سکتے،  
بایں وجہ آج وہ تباہ حال اور مقروض ہیں۔

آج کی اس جدید دنیا میں وہی ملک برتر سیاسی قوت کا حامل ہے جو اپنی معاشی  
قوت رکھتا ہو، ایک ایسا ملک جو معاشی قوت کا حامل ہو اپنے سے کم تر ملک کو قرضوں کے  
شکبجے میں جکڑ کر غیر شعوری طور پر اپنا غلام بنا سکتا ہے۔

آج دنیا مسابقت کی شدید ترین جدوجہد میں مصروف عمل ہے، حتیٰ کہ مادیت  
نے مذہب کی جگہ لے لی ہے۔ معاشی ترقی کی یہ حد سے بڑھی ہوئی احتیاج اس طرح انسان  
میں سرایت کر چکی ہے کہ اس نے انسانی جذبات و اقدار کو دقیانوسی قرار دے کر مسلک  
زر پرستی کی بنیاد رکھ دی ہے۔ آج بیشتر ممالک میں عوام حکومتوں سے زیادہ دولت مند  
ہیں۔

مسلم امہ کے تناظر میں اگر دیکھا جائے تو بلا مبالغہ معاشی کمزوری کی تقریباً تمام  
صورتیں کم و بیش موجود ہیں۔ مسلم ممالک کے حکمران خراب ترین معاشی بحران کی وجہ سے  
ایک طرف اپنی عوام کی نظر میں عزت و توقیر سے محروم ہو رہے ہیں اور دوسری طرف غیر ملکی  
استثماریت کے ہاتھوں قرضے کے شکبجے میں جکڑتے جا رہے ہیں۔ ان کی عوام مسلک  
زر پرستی کی خوگر ہو چکی ہے اور حکمرانوں نے عوام کو ایوان سے دور رکھنے کے لیے انہیں ان  
کے حال پر چھوڑ دیا ہے اور اس طرح دونوں ہی اپنے اصل دشمن کو پہچاننے سے محروم ہیں۔  
صہیونی دانا بزرگوں نے اپنے اکیسویں پروٹوکول میں لکھا ہے:

”ہم بازار زر (MONEY MARKETS) کے بدلے قرض دینے

والے بڑے بڑے سرکاری ادارے قائم کریں گے جن کا مقصد حکومت کی  
صوابدید کے مطابق صنعتی قدروں کی قیمتیں مقرر کرنا ہوگا۔ ان اداروں میں یہ  
اہلیت ہوگی کہ بازار میں ایک دن میں پچاس کروڑ کے صنعتی کاغذات جاری

کر سکیں یا اتنی ہی رقم کے کاغذات خرید سکیں۔ اس طرح تمام صنعتی ادارے ہمارے رحم و کرم پر ہوں گے۔ اس سے آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہم کتنی قوت کے مالک ہوں گے۔“

کاش مسلمان یہ اندازہ کر سکیں.....



## مسئلہ فلسطین اور مسلمان

فلسطین پر یہودی قبضے کی سازش بہت پرانی ہے۔ یہ داستان پرسوز بھی ہے اور عبرتناک بھی۔ اس میں جہاں یہودیوں کی بربریت و بھیمت کے فسانے ہیں وہیں اپنوں کی بے وفائیوں کی اور بے غیرتی کے قصے بھی ہیں۔ یہاں ان فسانوں کا بیان مقصود نہیں۔ عرض تو یہ کرنا ہے کہ جون ۱۹۶۷ء کو بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ اول یہودیوں کی زیر تصرف آگیا اور انہوں نے ان کے زیر تصرف چھ۔

۲۱ اگست ۱۹۶۹ء کو مسجد اقصیٰ میں آتش زنی کا واقعہ رونما ہوا جس نے جہاں بھر کے مسلمانوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور سر جوڑ کر بیٹھنے پر مجبور کر دیا لہذا ۲۱ ستمبر ۱۹۶۹ء کو مراکش کے قلب مملکت رباط میں اسلامی سربراہ کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ مقصد انعقاد یہ تھا کہ مسلمانوں کے بین الاقوامی مسائل بالخصوص مسئلہ فلسطین کی جلد از جلد آزادی۔ لیکن اس جلد از جلد کا اندازہ اس امر سے لگائیے کہ ارض قدس کی اس پامالی اور مسلسل پامالی کو آج ستمبر ۲۰۰۲ء، ۳۵ برس بیت چکے ہیں۔

بد قسمتی سے آج مسلمانوں کے نزدیک تعداد کی قلت و کثرت، آلات حرب کی کمی و زیادتی اور وسائل گونا گوں کی فراخی و کشادگی پیانہ کامیابی بن چکی ہے۔ انہوں اپنے ’توکل علی اللہ‘ کے الہی پیانے کے فراموش کر دیا ہے۔

آج ان کی تشکیک زدہ ذہنیت وعدۂ نصرت الہی پر اپنے شک وریب کا اظہار کرتی ہے، لیکن جب وہ ﴿إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ کے مخاطب ہی نہ بنے ہوں تو پھر انہیں کیا حق ہے کہ وعدۂ نصرت الہی کے نام تکمیل پذیر ہونے کا شکوہ کریں۔ ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ کا اصول اٹل ہے لیکن جب ہماری متاع ایمان ہی ہماری غفلت

شعاریوں کے باعث برباد ہو چکی ہو تو کیا حق ہے کہ وعدہ الہی پر زبان طعن کو دراز کریں۔ اور اب صورت حال یہ ہو چکی ہے کہ جب کبھی غیرت حق نے کروٹ لینی چاہی جذبہ سفاکی کی شہوت انگیزیوں نے اسے تھکی دے دے کر سلا دیا، جب کبھی دل نے اصنام دنیوی سے بغاوت کرنی چاہی معاشی مجبوریوں نے پیروں کو شل اور قدموں کو منجمد کر دیا۔ گو پروردگار اعلیٰ کی جنت نظروں کے سامنے ہے لیکن

آتی ہے صدائے جرس ناقہ لیلیٰ  
صد حیف کے مجنوں کا قدم اٹھ نہیں سکتا

## اے خطہ کشمیر!

اے خطہ کشمیر!

ہم شرمندہ ہیں

تیری دم توڑتی سانسیں سے

تیرے زخموں سے رستے لہو سے

تیری تڑپتی لاشوں سے

تیرے سکستے وجود سے

ہم شرمندہ ہیں۔ ہمارے پاس تجھے نذر میں دینے کے لیے اپنے عجز کے اعتراف

کے سوا اور کچھ نہیں۔ ہمارے اس اعتراف عجز کو قبول کر لے۔

## ۷ اکتوبر ۲۰۰۱ء

۷ اکتوبر ۲۰۰۱ء کا سورج اسلامیان افغانستان کے لیے کیا پیام لایا؟ منعکس ہوتی آفتاب مشرق کی روشنی میں دنیائے سرزمین افغانستان میں صدائے دہش کی سراسیمہ گونج سنی، دم واپس کی مچلتی بے قراریاں ملاحظہ کیں اور انسانی لاشوں کو رہ رہ کر تڑپتے دیکھا۔ آہ! وہ سسکیاں جو انسانی وجود میں گھٹ کر رہ گئیں، وہ بے قراریاں اور حسرتیں جن کا کچھ صلہ نہ ملا۔ کیا آج کی انسانی مدنیت ذلت و رسوائی کے اس بدنماداغ کو برداشت کر سکے گی؟ آنے والا مورخ لکھے گا:

”اس دن دنیا سے انسانیت رخصت ہوگئی اور انسانیت کے لاشے پر دنیا دو گز کفن بھی نہ ڈال سکی۔“

اور پھر کیا ۷ اکتوبر کا یہ المیہ یہیں ختم ہو گیا؟ نہیں کہ ع

درازی تیری زلفوں کی خدا جانے کہاں تک ہے

دنیا ۱۱ ستمبر کے سانحے کو شاید ہمیشہ یاد رکھے۔ اس لیے کہ اس سانحے کو خود اس قوم نے یاد رکھا۔ مگر ۷ اکتوبر کا فوج و درد و الم کون پڑھے گا؟ سلسلہ ۱۱ ستمبر کے مقتولین کی تعداد میں کیا ہفتہ عشرہ بعد بھی اضافہ ہوا؟ لیکن ۷ اکتوبر کی رودادِ قہر و ظلمت تو اب بھی جاری ہے۔ کیا دنیا اس پر توجہ کرے گی؟

اگر دنیا سے جذبہ عدل و انصاف عنقا نہیں ہو گیا تو عدل پسند طبیعتیں ضرور فیصلہ کریں گی کہ:

”دنیا کی سرکش ترین قوم نے خطہ ارضی کی مفلس ترین مملکت پر جو شرمناک حملہ کیا وہ اکیسویں صدی کے ابتدائی سال کا سب سے الم انگیز سانحہ تھا اور جسے

آئندہ صدی میں فراموش نہیں کیا جاسکے گا۔“

مگر قدرتِ الہیہ کا قانون اٹل ہے، زمانہ بدل سکتا ہے، حالات بدل سکتے ہیں، افراد بدل سکتے ہیں، معاشرہ بدل سکتا ہے، لیکن قانونِ الہی کبھی تغیر پذیر نہیں ہو سکتا، کیونکہ: ﴿لَا تَبْدِيلَ لِحُكْمِ اللَّهِ﴾۔  
www.KitaboSunnat.com

امریکا نے ہیروشیما اور ناگاساکی کے مظلوموں پر اپنی بربریت و ہیبت کی انتہا کی مگر اس کی سرکشی پر ضرب نہ لگی۔ لیکن اب اس نے اسلامیان افغانستان کے وجود پر ناسور بننا چاہا ہے اور اب اس کے لیے ﴿ان بطش ربک لشدید﴾ کی وعید طے پا چکی۔ اب کوئی راہ مفر نہیں۔ ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرَ الْمُؤْمِنِينَ﴾۔

۷ اکتوبر کے لیے کانوحہ بے شک بجلی کے قتموں کے درمیان نہیں پڑھا گیا، اور اس لیے پر اٹک باری بے شک عالمی ذرائع ابلاغ کی توجہ کا باعث نہیں بنی، مگر صاحبِ ایمان قلوب اس کی کنگ اپنے دل میں ہمیشہ محسوس کرتے رہیں گے اور یہی اکتوبر اور ۷ اکتوبر کے درمیان ماہِ الامتیاز ہے۔

## چینیا کے کوہساروں سے

آج دنیا کا عام تاثر یہ ہے کہ چینیا کے کوہساروں سے وہ دہشت گرد پیدا ہو رہے، جو عالمی دنیا کا امن و سکون تباہ کر دیں گے۔ لیکن کیا یہی حقیقت ہے.....؟  
ضروری ہے کہ دنیا ان کوہساروں میں دہش و سراسیمگی کی صداؤں کو بھی اس نے کبھی سنی نہیں۔ اس لیے کہ سننا نہیں چاہا۔

ضروری ہے کہ دنیا ان کوہساروں میں دہش و سراسیمگی کی صداؤں کو بھی سنے، جو اس نے کبھی سنی نہیں۔ اس لیے کہ سننا نہیں چاہا۔

چینیا کی اکثریت مسلم آبادی پر مشتمل ہے، اور یہاں روس کی دخل اندازی اور چین مسلمانوں کی خونی جلا وطنی کا سلسلہ عرصہ دراز سے جاری ہے۔

۱۹۷۱ء میں امام شیخ منصور کو قید کرنے کے بعد چین قوم کو جلا وطن کرنے کی پہلی کارروائی ہوئی۔ اس کے بعد ۱۸۳۲ء، ۱۸۳۷ء، ۱۸۵۹ء، ۱۸۶۲ء، ۱۸۹۸ء، ۱۹۱۳ء میں جلا وطنی کی بڑی کارروائیاں ہوئیں۔ یہ جلا وطنی محض مخصوص افراد کے لیے نہیں تھی بلکہ اس کا نشانہ پوری آبادی بنا کرتی تھی۔ [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ماہنامہ اردو ڈائجسٹ اکتوبر ۲۰۰۳ء]

ان جلا وطنیوں کے نتیجے میں متعدد مسافر خالق حقیقی سے جا ملے، متعدد زخمی اور بیمار ہوئے۔ روس کی بہادر فوجوں نے چین قیدیوں کو زہر آلود غذائیں کھانے پر مجبور کیا، تاکہ قیدیوں کی تعداد میں کمی ہو سکے۔

ایک تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق:

”چینوں کی خلقی (جینیاتی) ترکیب کو بھی بدل دیا گیا۔ تو مند، صحت مند،

اور تندرست افراد کی جگہ لاغر اور پست قد لوگوں نے لی۔ خراب خوراک اور تکالیف کی وجہ سے بیمار بچے پیدا ہونے لگے جن میں پیدائشی لحاظ سے کئی طرح کے نقص ہوتے تھے۔ اگست ۱۹۵۶ء کے آغاز میں مرنے والوں کی تعداد تقریباً تین لاکھ تھی یعنی کل جلاوطن باشندوں میں سے اکٹھ فیصد فوت ہو چکے تھے۔ یہ اعداد و شمار اس رپورٹ کے مطابق ہیں جو وزیر داخلہ دوروف نے سوویت کمونسٹ جماعت کی سنٹرل کمیٹی کو پیش کی تھی۔ اگر یہ بات بھی مد نظر رکھی جائے کہ بچوں کی آبادی میں طبعی اضافی جبراً روک دیا گیا تھا تو جاں بحق ہونے والوں کی شرح کل آبادی کا اسی فیصد بنتی ہے۔ جلاوطنوں کو مخصوص سینکڑی ٹیکنیکل تعلیم نیز یونیورسٹی کی تعلیم کی اجازت نہ تھی۔ یہ پابندی ۱۹۵۳ء تک برقرار رہی سالن کے مرنے کے بعد یہ پابندی اٹھالی گئی۔“ [ماہنامہ ’اردو ڈائجسٹ‘ اکتوبر ۲۰۰۳ء]

اخباری اطلاعات کے مطابق:

”روسی فوجوں نے کم از کم دو لاکھ سول چین افراد کو قتل کیا ہے، ان میں ۳۵ ہزار بچے بھی ہیں، چالیس ہزار بچے شدید زخمی کیے گئے ہیں، ۳۵ ہزار بچے ایسے ہیں کہ ان کے ماں، باپ میں سے کوئی ایک شہید کر دیا گیا ہے۔ یہ اعداد و شمار ایمنسٹی انٹرنیشنل اور دوسرے مغربی اداروں کے ہیں۔“ [روزنامہ ’قوی اخبار‘ کراچی ۱۲ ستمبر ۲۰۰۳ء]

کیا دنیا ان مظالم کی طرف توجہ کرے گی؟

اس بات سے قطع نظر کہ خود کش حملے درست ہیں یا غلط۔ اسلام سولین کو مارنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ اور ایک صحیح العقیدہ مسلمان اور اسلامی جہادی تنظیمیں ایسی کارروائی ہرگز نہیں کر سکتیں جن کی زد سولین پر پڑے۔ کیا بعید کہ روس میں ہونے والی

حالیہ کارروائیاں کسی گہری سازش کا نتیجہ ہوں۔

لیکن کیا روس کے لیے یہ جائز ہو سکتا ہے کہ وہ چین عوام کو بیدردی سے قتل کرے؟ انصفوا علی نفوسکم۔



## اللہ کی تلاش میں

”یہ اللہ ہی ہے جس نے نہ صرف یہ کہ ہمیں  
لباس ہستی سے زینت دی بلکہ ہماری تزئین و آرائش بھی  
کی اور یہ ہم ہی ہیں جو افراد کے اس جنگل میں کھوکرا سے  
بھول بیٹھے جو ہمیں عدم سے وجود میں لایا۔ اس سے پہلے  
کہ وہ ہمیں بھول جائے آؤ اس کی تلاش میں نکلیں“

محمد تنزیل الصدیقی الحسینی  
کے قلم سے ایک پر مغز مقالہ

اصلاح المسلمین پبلشرز کراچی

یوٹ بکس نمبر 18130 کراچی 74700

## مکتبہ نورِ حرم کی مطبوعات

☆ اسلام میں بدعت و ضلالت کے محرکات

تصنیف: ڈاکٹر ابو عدنان سہیل

نظر ثانی: ڈاکٹر محمد لقمان سلفی

(165/=)

☆ گھروں کی اصلاح کیوں اور کیسے؟

تالیف: فضیلۃ الشیخ محمد صالح المنجد

(40/=)

تفہیم و ترجمہ: مولانا حکیم محمد جمیل شیدار حمانی

☆ زاد سفر

(28/=)

مولانا خلیل الرحمان لکھوی حفظہ اللہ

☆ مسلمان کو کافر کہنا کیسا ہے؟

تالیف: فضیلۃ الشیخ ابو بکر الجزائری حفظہ اللہ

(20/=)

ترجمہ: مولانا منیر احمد ارشد

## زیر طبع کتب

☆ ضعف الایمان کا علاج

تصنیف: فضیلۃ الشیخ محمد صالح المنجد

اسلام

☆ دشمنانِ رسول ﷺ کا مجرمانہ انجام

ملک عبدالرحیم عراۃ

۹۹۔۔۔ جے ماڈل نمائش لاہور

نمبر.....19895





